فراتِ سخن

باقر زیدی

بسم الله الرحمن الرحيم

انتساب

اُس صاحبِ لوح و قلم کے نام ...... جس نے اپنی پہلی وحی میں قلم کا ذکر کیا۔

اُن نورانی ہستیوں کے نام ...... جو وجہہ تخلیقِ کائنات ہیں۔

اُن شہدا کے نام ...... جن کے لہو سے روئے اسلام تابناک ہے۔

اُن شعرا کے نام ...... جنھوں نے حمد، نعت، منقبت، قصیدے، سلام، نوحے اور مرثیے لکھے۔

اُس برادر مرحوم کے نام ...... جس کی جدائی آج بھی دل پر شاق ہے۔

اُس شریکِ حیات کے نام ...... جو میری کسی ادبی مصروفیت میں کبھی رکاوٹ نہیں بنی۔

اُس خوش طبع اولاد کے نام ...... جو چاہتی ہے کہ میں ہر سال تازہ اور نو تصنیف مرثیہ پڑھوں۔

اُن باذوق سامعین کے نام ...... جنھوں نے یہ مرثیے سنے، سراہا اور انھیں حاصل کرنے کی کوشش کی۔

اُن پیش خوانوں کے نام ...... جن کی پیش کی ہوئی رباعیاں قربت و قرابت کی مظہر ہیں۔

۱۔ شانی

اِس باغ میں مانندِ نسیم آیا ہے ۔۔۔ یا طور پہ پھر کوئی کلیم آیا ہے
ہاں فیض کا سلسلہ رہے گا جاری ۔۔۔ یہ دیکھیے منبر پہ شمیم آیا ہے

۲۔ عباس

جو بزرگوں سے ملا ہے وہ شرف جاری ہے ۔۔۔ شکر ہے اب بھی مرے گھر میں عزاداری ہے
اپنے نانا کی طرح ہے مری منبر پہ نشست ۔۔۔ نام عباس ہے اور کام وفاداری ہے

۳۔ شجیع

مجھ کو خوشیوں میں بھی شبیرؑ کا غم دے یارب ۔۔۔ دولتِ علم بیک دستِ کرم دے یارب
اپنے دادا کی طرح مرثیے لکھوں میں بھی ۔۔۔ ورثۂ جد کا مجھے بھی وہ قلم دے یارب

ALL RIGHTS RESERVED IN THE NAME OF AUTHOR

FURAAT-E-SUKHAN

An Urdu poetry book of *Marsiyas*

by

BAQUER ZAIDI

Published by	:	**Idara-e-Faiz-e-Adab,U.S.A.**
First edition	:	2004
Printed by	:	**Niaz Printers**
Quantity	:	1000
Title designed by	:	**Mujahid Zaidi**
Composed by	:	**Javedan Publishers** 28- H, Rizvia Society, Nazimabad, Karachi-74600. Ph. # 6685975
Available from	:	**Hani Zaidi** 13600, Engleman Drive Laurel, Maryland 20708-1324, U.S.A. Phone : 301-498-4988 E-mail : hanizaidi@hotmail.com **Nayyar Asaadi** N-28, P.J.B. Colony, Karachi-5, Pakistan Phone : 4943445 E-mail : nayyerasadi@hotmail.com
Price	:	**$ 25.00**

ترتیب

o حرفِ حق	باقر زیدی میری لینڈ، امریکہ		۱
o قطعاتِ تاریخِ طباعت	۱۔ نیر اسعدی کراچی، پاکستان		۱۹
	۲۔ شکیل آزاد		۲۲
o رہتا خموش کیوں مرے دادا کلیم تھے	ڈاکٹر سید تقی عابدی ٹورانٹو، کینیڈا		۲۳

o مرثیے

سال تصنیف	عنوان	مطلع	تعداد بند	
۱۔ ۱۹۸۹ء	مَرثیہ	سربسر اپنے بزرگوں کا چلن رکھتا ہوں	۶۹	۶۱
۲۔ ۱۹۹۱ء	رَفتار	رفتہ رفتہ مری رفتارِ سخن تیز ہوئی	۸۳	۸۷
۳۔ ۱۹۹۲	سُخَن	اسی کے نام سے کرتا ہوں ابتدائے سخن	۶۸	۱۱۷
۴۔ ۱۹۹۳ء	کَربلا	آج بھی سرچشمۂ فکر و عمل ہے کربلا	۶۸	۱۴۳
۵۔ ۱۹۹۴ء	طَاقت	طاقتِ حرفِ سخن آج دکھانا ہے مجھے	۸۶	۱۶۹
۶۔ ۱۹۹۶ء	اُردو	جب ضیا بار ہوا، مہرِ جہانِ اردو	۸۸	۲۰۱
۷۔ ۱۹۹۷ء	گھَر	لائقِ شکر ہے ہر حال میں نعمت گھر کی	۸۳	۲۳۳
۸۔ ۱۹۹۸ء	آیاتِ سُخَن	پھر کوئی تازہ سخن اے مرے پندارِ سخن	۷۷	۲۶۳
۹۔ ۱۹۹۹ء	علیؑ اور اِسلام	حرفِ سخن متاعِ ہنر کر رہا ہوں میں	۷۵	۲۹۱
۱۰۔ ۲۰۰۲ء	دُعا	حصارِ مرضیٔ معبود میں رہو باقر	۹۱	۳۱۹

رضائے حق سے ہے توفیقِ التفاتِ سُخن
غمِ حُسینؑ ہے ، تہذیبِ کائناتِ سُخن
یہ مرثیے ہیں ولائے حسینؑ کا صدقہ
ملی ہے تشنہ لَبوں سے مجُھے ''فُراتِ سُخن''

باقرؔ حسن زیدی

حرفِ حق

میں نے ۲۶ ستمبر ۱۹۳۶ء کو ریاست بھرت پور کی مشہور حویلی میں آنکھ کھولی۔

جس گھر میں آنکھ کھولی وہ گھر سیّدوں کا تھا
جس شاخ کا ثمر ہوں ، شَجَر سیّدوں کا تھا
ہر آن مجھ پہ فیضِ نَظَر سیّدوں کا تھا
گویا سرشت ہی میں اَثَر سیّدوں کا تھا

ماحول میں جو دھوم خدا کے وَلیؑ کی تھی
گھٹّی میں جو ملی ، وہ محبت علیؑ کی تھی

پیدا ہوا تو خیر سے عالی نَسَب ملا
وہ نسبتیں ملیں کہ شرف کا سَبَب ملا
ماحول میں بسا ہوا ذوقِ اَدَب ملا
عالی منش گھروں سے جو ملتا ہے سَب ملا

اسلاف رَہ روانِ رہِ مستقیم تھے
رہتا خموش کیوں مرے دادا کلیم تھے

بابا کو بھی علیؑ کی غلامی قبول تھی
ماں وہ تھی جو کنیزِ کنیزِ بتولؑ تھی
فرشِ عزا پہ باغِ مودّت کا پھول تھی
جو کچھ ملا، وہ ان کے ہی قدموں کی دھول تھی
ماں باپ کا ہے فیض کہ منبر نشین ہوں
بہتر نہیں، خدا کی قسم، بہترین ہوں
(مرثیہ 'علی اور اسلام' سے اقتباس)

میرے گھرانے میں شعر و سخن کا سلسلہ نسلوں سے جاری ہے۔ میں نے اپنے دادا جناب سیّد اکرام حسین زیدی کلیم بھرت پوری اور اپنے والد جناب سیّد فرزند حسن زیدی فیض بھرت پوری کو اپنی صغر سنی ہی سے منبر پر جلوہ افروز دیکھا۔ میں بھی رباعیاں پڑھ کر پیش خوانی کیا کرتا تھا:

اخلاق سے بلند شرافت کے بام و در
نظریں بلندیوں پہ تھیں، سجدے زمین پر
تھا حُبِّ اہلِ بیتؑ سے معمور سارا گھر
بچوں کی تربیت میں تھا سادات کا اثر
کس کم سنی میں صورتِ رُکنِ رَکین تھا
میں چار سال کا تھا تو منبر نشین تھا

اگست ۱۹۴۷ء کے انقلاب نے زندگی کے ہر شعبے کو بری طرح متاثر کیا۔ بھرت پور کے فسادات میں ہمارے چچا کے قتل کے بعد ہم لوگ حیدر آباد دکن چلے

گئے اور پھر چند ماہ وہاں گزار کر فروری ۱۹۴۸ء میں بمبئی سے پانی کے جہاز میں سوار ہو کر کراچی پہنچ گئے۔ اُس وقت فکر معاش کی تگ ودو نے مجھے فنونِ لطیفہ سے دور رکھا مگر جیسے جیسے وقت کے ساتھ ساتھ حالات بہتر ہونا شروع ہوئے پرانی قدریں لوٹنے لگیں۔ مشاعرے، مقاصدے اور مسالمے ہونے لگے۔ شعر وسخن کے ماحول کے باوجود جب میں نے یہ بارِ امانت سنبھالا تو اپنی عمر کے پچاس سال گزار چکا تھا۔ اپنی شاعری کی ابتدا کا ذکر تفصیل کے ساتھ میں اپنی غزلیات کے مجموعہ ''لذتِ گفتار'' میں کر چکا ہوں۔

میں نے شاعری بغیر کسی رہ نمائی کے از خود شروع کر دی۔ جب بھی جس بات کے جاننے کی ضرورت ہوئی بلا جھجک کسی بھی ایسے شخص سے پوچھ لی جسے میری دانست میں اس کا علم تھا۔ میں نے بزرگوں ہی سے نہیں اپنے چھوٹوں سے بھی بہت کچھ سیکھا۔ یہ میری بدنصیبی تھی کہ میں نے شاعری کی ابتدا ہی اتنی دیر سے کی کہ اپنے والد مرحوم حضرت فیضؔ بھرت پوری سے بھی فیض حاصل نہ کر سکا۔ کچھ کہنہ مشق شعرا ایسے بھی تھے جن کی خواہش تھی کہ میں ان کی شاگردی اختیار کروں لیکن ان حضرات سے میری طبیعت نہیں ٹھکی اور جن کے آگے میں چاہتا تھا کہ زانوئے ادب تہہ کروں ایک ایک کر کے وہ سب چلے گئے اور میں جہاں تھا وہیں رہ گیا۔

والدِ مرحوم کے بہت سے شاگرد ہندوستان اور پاکستان میں تھے لیکن جن کو میں جانتا ہوں ان میں سب سے زیادہ مطیع و معتبر حضرت نیّرؔ اسعدی ہیں۔ نیّرؔ غزل گوئی میں دردؔ اسعدی سے اصلاح لیتے تھے اور مذہبی اصنافِ سخن میں والد مرحوم حضرت فیضؔ بھرت پوری سے۔ دردؔ اسعدی نیّرؔ کو اپنی حیات ہی میں فارغ الاصلاح قرار دے چکے

تھے۔ والد کو نیّر بیٹوں کی طرح عزیز تھے اور وہ نیّر کے اخلاص اور وفاداری کے بڑے مدّاح تھے۔ نیّر اکثر ہمارے گھر آتے تھے اور والد کے ساتھ گھنٹوں شعر وسخن میں مصروف رہتے تھے۔ میں نے ان کی نصف شب تک کی بیٹھکیں بھی دیکھی ہیں۔ یہ بھی ایک حسنِ اتفاق ہے کہ نیّر کے والدِ محترم جناب آغا محمد اصغر صاحب نے مجھے گورمنٹ ہائی اسکول پرنِسس اسٹریٹ جو بعد میں منتقل ہو کر کوتوال بلڈنگ چلا گیا تھا کئی سال پڑھایا ہے۔ اس طرح ہم دونوں کے والد ایک دوسرے کے استاد ہیں یا یوں سمجھیے کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے نجیب الطرفین پیر بھائی ہیں اور خدا بہتر جانتا ہے کہ ہمارے بھائیوں جیسے مراسم تب بھی تھے جب میں پاکستان میں تھا اور اب ہزاروں میل دور رہ کر بھی ویسے ہی ہیں۔ نیّر انتہائی خوددار اور حسّاس آدمی ہیں۔ اس لیے ایک احتیاط کا عنصر درمیان میں رکھنا پڑتا ہے کہ مبادا انہیں کوئی بات گراں گزرے۔ احساس تو شاعر کی متاع ہے جو حسّاس نہیں ہوگا وہ اچھا شاعر بھی نہیں ہوگا۔ خودداری بھی وہ صفت ہے جو اب مشکل سے نظر آتی ہے۔

ہم چار بھائی اور دو بہنیں تھے۔ مجھ سے چھوٹے بھائی جعفر زیدی کا ۱۱ر نومبر ۱۹۹۹ء کو میری لینڈ میں انتقال ہو گیا۔ مرنے والا ہم سب میں اچھا تھا شاید اسی لیے مجھ سے پہلے چلا گیا۔ دعا کے عنوان سے جو مرثیہ ہے اس کے ابتدائی بندوں میں اسی کا ذکر ہے۔ جعفر ایک بہت اچھا سامع اور سخن فہم ہونے کے ساتھ ساتھ حمد و نعت اور منقبت وسلام بھی کہتا تھا۔ زندگی نے ساتھ دیا تو جتنا کچھ بھی اس کا کلام ہے ایک کتابچے کی صورت میں شائع کرانے کا ارادہ ہے۔ خدا اس کو ابدی سکون عطا کرے۔ مرحوم کی بڑی خواہش تھی کہ میرے مرثیے کتابی شکل میں آجائیں۔

باقر زیدی

جعفر سے چھوٹے بھائی نسیم فروغؔ ہیں جو باضابطہ شاعر ہیں اور غزلوں، نعتوں، سلاموں اور منقبتوں کے ساتھ مزاحیہ کلام بھی کہتے ہیں جو ان کا خاص رنگ ہے۔ ان سے چھوٹے بھائی مسعود زیدی ہیں جن کی دِل چسپیاں اور مشاغل شعر و ادب سے جداگانہ ہیں۔ دونوں بہنیں اپنے اپنے گھروں کی ہیں اور اپنے اہل و عیال کے ساتھ یہیں میری لینڈ میں آباد ہیں۔ ماشاءاللہ تقریباً پچاس خانوادوں پر مشتمل تقریباً ڈھائی سو افراد کا ایک قبیلہ میری لینڈ اور ورجینا میں آباد ہے۔ ان کے چالیس مکان پچاس میل کے احاطے میں واقع ہیں۔ اس لیے فرصت نام کی کوئی چیز مشکل ہی سے دستیاب ہوتی ہے۔ Week ends کے علاوہ بھی تقاریب اور اجتماعات ہوتے رہتے ہیں۔ اکثر مشاعروں اور محافل میں اپنے گھروں کی تقریبوں کو چھوڑ کر جانا پڑتا ہے۔

اردو اصنافِ سخن میں مرثیہ ایک ایسی صنف ہے جس کی بنیاد دکن میں پڑی جو اپنے طول و عرض میں سفر کرتی ہوئی بتدریج لکھنؤ پہنچ کر اپنے کمال کو پہنچی۔ انیسؔ و دبیرؔ کے بعد مرثیہ میں نہ تو زبان و بیاں کے اعتبار سے کوئی ترقی ہوسکی اور نہ اس کی شکل و ہیئت میں کوئی خوشگوار اضافہ۔ ایسے میں علامہ نجمؔ آفندی کی آواز رثائی ادب کے معبد میں اذانِ انقلاب بن کر ابھری۔ ان کے نوحوں، سلاموں، منقبتوں اور قومی نظموں نے لکھنے والوں کو ایک نئی سوچ سے روشناس کرایا جس سے جدید مرثیے کی راہیں نکلیں۔

جناب ضیاالحسن موسوی اپنے مقالے ''نجمؔ آفندی۔ ایک مطالعہ'' میں رقم طراز ہیں:

''نجمؔ آفندی روایت سے بغاوت کا نام ہیں مگر وہ بغاوت نہیں جو

روایت کو تباہ کر دے یا اس کا تسلسل ختم کر دے۔ ان کی بغاوت اس منجمد ذہنیت سے ہے جو روایت کو اپنے عہد اور اس کے ذہن و فکر کے مطابق آگے بڑھانے کے بجائے روایت پر اڑ جاتی ہے"۔

جب پشاور سے راس کماری تک یہ نوحے گونجنے لگے اور نہ صرف سلاموں اور نوحوں کا رنگ بدلا بلکہ یہ رنگ مرثیہ نگاری پر بھی اثر انداز ہوا اور نجم جدید مرثیہ گوئی کے نقیب سمجھے گئے تو نجم نے اپنے رنگ میں دو مرثیے بھی کہے اور فتحِ مبین کے دیباچہ میں لکھا:

"نوحوں کی طرح مرثیہ کی روش سے بھی مجھے کچھ اختلاف تھا۔ بحمد اللہ 'اشاراتِ غم' کی اشاعت کے بعد شعرائے قوم نے اس طرف توجہ کی۔ اشاراتِ غم کے رنگ میں مرثیے کہے گئے اور خوب کہے گئے۔ میں نے بھی اس صنف میں قلم اٹھایا ہے اور ایک مرثیہ پیش کر رہا ہوں"۔

اپنے مقالے کے آخر میں موسوی صاحب مزید لکھتے ہیں:

"نوحوں اور سلاموں میں نجم آفندی کے تجربات اپنا لیے گئے مگر مرثیہ نگاروں نے مبکی مصائب کے عنصر اور رزم و بزم کے روایتی مضامین نہ ہونے کی وجہ سے مراثیِ نجم کو مسدّس کہنے پر اصرار کیا۔ جہاں تک میں سمجھتا ہوں نجم نے اس پر رد و قدح بھی نہیں کی۔ ان کا مقصد اندازِ فکر اور پیش کش کا اسلوب بدلنا تھا اور وہ اس میں کام یاب رہے اور جہاں تک ان کے انداز کا تعلق ہے تو جوشؔ اور بہت سے بڑے اور چھوٹے شعرا نے اس کو بھی اپنا لیا اور مرثیے کی دنیا نے ان تجربات کو

باقر زیدی

مرثیے ہی کا نام دیا۔ نام میں کیا رکھا ہے۔ سورج کو جس نام سے پکارا جائے وہ سورج ہی رہے گا''۔

ڈاکٹر ہلال نقوی کی تصنیف ''جدید مرثیہ کے تین معمار جوشؔ، آلِ رضاؔ اور نسیمؔ امروہوی'' جو تاثر پیش کرتی ہے وہ اگر نجمؔ آفندی کی نفی نہیں تو ان کے مقام ان کے Contribution اور اس قافلۂ غم نگاراں میں ان کی اہمیت اور اولیت کو سبک ضرور کرتی ہے۔ خدا جانے مرثیہ کے ناقدین نے اب تک ان کے ساتھ انصاف کیوں نہیں کیا۔ جوشؔ، آلِ رضاؔ اور نسیمؔ امروہوی جن کو فاضل مصنف نے اپنی کتاب کا عنوان قرار دیا ہے وہ خود بھی نجمؔ آفندی کو فکرِ جدید کا علم بردار اور طرزِ نو کا موجد قرار دیتے ہیں۔ نسیم امروہوی نے نجمؔ آفندی کی موت پر جو قطعۂ تاریخ نظم کیا ہے اس میں خراجِ تحسین کے ساتھ یہ کھلا ہوا اعتراف بھی شامل ہے کہ:

اس کا نہیں کوئی سہیم جوشؔ و رضاؔ ہوں یا نسیمؔ
سب کو پیامِ انقلاب ، شاعرِ اہل بیت نجمؔ

اور یہ صرف شاعری نہیں ان کی حق آشنائی اور حق گوئی کی بھی دلیل ہے۔ نسیم صاحب کی منزلت اور مقام ان سے کسی پوچ بات کی توقع بھی نہیں ہونے دیتا۔

یہ نجمؔ آفندی کی اسی جدید فکر اور انقلابی لب و لہجہ کی گونج ہے جو آج دنیائے رثائی ادب میں ہر بالغ نظر شاعر کے کلام میں سنائی دیتی ہے اور اسی آواز نے مرثیے کے مرتے ہوئے جسم میں تازہ روح پھونک کر اسے فعّال بنایا اور عصری ادب کے تقاضوں سے ہم آہنگ کیا۔

ڈاکٹر ہلال نقوی خود نجمؔ آفندی کی جدّتِ فکر اور عظمتِ فن کو ان اشعار میں خراجِ تحسین پیش کر چکے ہیں:

نجمؔ اے شعر و سخن کے آسماں کے آفتاب
تو نے بخشا ہے زلیخائے تفکر کو شباب

اک نئے انداز سے کارِ اَدب تو نے کیا
تو نے نوحوں کو عقیدت کا نیا لہجہ دیا

بالیقیں کہنا پڑے گا یہ کہ ہیں تیرے سلام
کربلا والوں کے مقصد کی اشاعت کے پیام

تیری جدّت آفرینی کے اضافے ہیں مزید
مرثیہ تیرا ہے اک فکرِ دبستانِ جدید

تیرے باغِ فکر میں کھلتے ہیں فطرت کے کنول
کروٹیں لیتا ہے تیرے شعر میں جوشِ عمل

تو نے جذبوں کو وفاؤں کا قرینہ دے دیا
تو نے اشکوں کو شراروں کا خزینہ دے دیا

طرزِ نو تیرا دماغ و ذہن پر چھانے لگا
فکر میں جس کے اثر سے انقلاب آنے لگا

جس کی سچائی کو آ سکتا نہیں ہرگز زوال
کیوں نہ لکھے وہ حقیقت شعر میں فکرِ ہلالؔ

جب بھی چھڑ جائے گا ذکرِ جدّتِ شعر و پیام
آئے گا لب پہ ہمیشہ نجمؔ آفندی کا نام

دکھ اس بات کا ہے کہ یہ کتاب تصنیف کرتے وقت یہ نام لب پر کیوں نہیں آیا۔ نہ جانے اردو ادب کی تنقید سے مصلحتوں کا جنازہ کب نکلے گا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ جوش، جمیل مظہری، آلِ رضا اور نسیم امروہوی جدید مرثیے کے محترم معتبر اور توانا نام ہیں لیکن نجمؔ آفندی کا کام بھی نام بھی ان سب سے زیادہ اہم اور اولیّت کا حامل ہے۔ ان چاروں حضرات نے جس جادۂ جدید پر قدم رکھا وہ نجمؔ آفندی کا دکھایا ہوا ہے۔ نجمؔ فکرِ جدید کے موجد ہیں دوسرے مقلّد۔ رثائی ادبِ جدید میں علامہ نجمؔ آفندی کا مقام وہی ہے جو جدید خطابت کے حوالے سے علّامہ رشید ترابی مرحوم کا۔ وہ جدید خطابت کے موجد تھے اور اُن کا اندازِ خطابت اُنہی کا کمال تھا۔ یہ بات بھی خوب ہے کہ مرثیہ کی ابتدا تو ارضِ دکن سے تھی ہی مرثیے اور خطابت کا احیاء بھی حیدرآباد دکن کا مرہونِ منت ہوا۔

نجم آفندی کی آواز نصف صدی کے عرصے سے زیادہ غیر منقسم ہندوستان کے عرض وطول میں دلوں کی دھڑکن بن کر چھائی رہی۔ جہاں بڑے بڑے شعرا کا کلام مشاعروں کی چاردیواری تک محدود رہتا تھا وہاں نجم آفندی کے نوحے گلی گلی، بستی بستی اور قریہ قریہ پڑھے اور سنے جاتے تھے۔ تاریخِ ادب میں عوامی سماعت کے وہ ہجوم جو نجم کے نوحوں کو ملے کسی دوسرے شاعر کو نصیب نہیں ہوئے۔ عوامی رابطہ کے ضمن میں کسی حد تک نظیر اکبر آبادی کو پیش کیا جا سکتا ہے لیکن ان کا کلام بھی آگرے کے گلی کوچوں تک محدود تھا جبکہ نجم آفندی ہر شہر، ہر گاؤں اور ہر عزادار کے گھر میں موجود تھے۔ ان کی آواز ان کے نوحوں کی دلآویز نرم آہنگی کے ساتھ انقلابی فکر بن کر دلوں میں اتری ہے۔ ان کا مقصد اصلاح تھا اور اس کے ابلاغ کے لیے انھوں نے اپنے قلم کی تمام قوتیں صرف کر دیں۔ ان کے نوحے، سلام، قومی نظمیں اور مرثیے سب اسی مقصد کے آئینہ دار ہیں۔ ان کی نثری تخلیقات بھی ان کے موقف کی بھرپور عکاسی کرتی ہیں۔ دراصل یہ جذبۂ اصلاح ان کے سارے کلام میں **Under current** کی طرح رواں ہے۔

ہندوستان کی غالب اکثریت چوں کہ ہندو تھی اس لیے انھوں نے "اسلام پوتھی" اور "کربل نگری" کے علاوہ بھی بہت سے نوحے ہندی زبان میں لکھے۔ ٹھیٹ ہندی اسلوب میں لکھی گئی نظمیں اور نوحے مثلاً "پریم پنتھی"، "حسینی سیوا"، "ست جگ کا ستارہ"، "دکھ کا ساگر"، حسینی درشن"، "دھرم پت"، "اور کھیون ہارا" ابلاغ کی وسعت اور فکر کی گہرائی کے ساتھ ساتھ بے پناہ تاثر کی حامل ہیں۔ برصغیر کے لاکھوں کروڑوں افراد نے ان کے نوحوں کو سنا اور اشکوں کا نذرانہ پیش کیا ہے۔

نوحے جیسی نازک کومل زمین پر تبلیغی اور اصلاحی پیغامات کی ایک شاندار اور

بلند و بالا عمارت تعمیر کرنا نجم آفندی کا ایسا کمال ہے جس میں کوئی اوران کا ثانی نہیں۔ نجم کے نوحوں کا مزاج بالکل مختلف ہے۔ یہ انداز نہ اس سے پہلے کہیں تھا اور نہ اب تک کسی اور کو نصیب ہو سکا۔

نجم آفندی منبر نشینوں سے مخاطب ہوتے ہیں تو اس پیغام کے ساتھ:

موسمِ غم آ گیا کر شکرِ احسانِ حسینؑ　　اے سریر آرائے مجلس، مرثیہ خوانِ حسینؑ
نالہ ہائے زیرِ لب کو قوتِ پرواز دے　　نوعِ انسانی کے اک اک فرد کو آواز دے
بے خبر افراد کو رازِ عزاداری بتا　　خندہ زن قوموں کو وجہِ گریہ و زاری بتا
اسوۂ محنت کشانِ کربلا تعلیم کر　　اُٹھ صفِ ماتم بچھا کر، قوم کی تنظیم کر
جوشِ غم کے بادلوں سے بجلیاں تخلیق کر　　موت کی گہرائیوں میں زیست کی تحقیق کر
شانِ سالاری بتا، ذہنِ علم بردوش کو　　دستگیری بھی سکھا کچھ دستِ ماتم کوش کو
چہرۂ روشن دکھا کر فطرتِ اسلام کا　　کلمہ پڑھوا دے حسینؑ ابن علی کے نام کا

عزادارانِ حسینؑ سے کہتے ہیں:

اڑاؤ آشتی کے پھول زندگی کی راہ میں
امانِ بے اماں بنو ستم کی جلوہ گاہ میں
صدائے یا حسینؑ دو فضائے کوہ و کاہ میں
تمام بحروبر کو لو حسینؑ کی پناہ میں
حسین کے فدائیو بڑھے چلو، بڑھے چلو

یا

باطل کا زور توڑ دو ذکرِ حُسینؑ سے
باطل میں اور حق میں جہاں کارزار ہو

مظلوم کے ماتم سے دو عالم کو ہلا دو　　نوحہ میں پیامِ لبِ معصوم سنا دو
کیا جاگ رہے ہو شبِ عاشورا کیلیے　　ہم کہتے ہیں سوئی ہوئی دنیا کو جگا دو
دل پہلے مگر اپنے ہی پہلو میں ٹٹولو　　ٹھنڈا ہو جہاں خونِ عمل آگ لگا دو
انصارِ حسینی کی تاسّی کا ہے دعویٰ　　ملت کے پسینے پہ لہو اپنا گرا دو
کچھ غور کرو نجم کے مفہومِ سخن پر
دیوانہ سمجھتے ہو تو مرنے کی دعا دو

اسلام تیرا حاصلِ محنت ہے، اے حسینؑ　　دنیا میں دین تیری بدولت ہے اے حسینؑ
جینے کا اختیار تھا ، مرنا کیا پسند　　کیا جبر و اختیار پہ قدرت ہے اے حسینؑ

☆☆☆

شہیدِ ظلم کلیجے ہلا دیئے تو نے　　حسینؑ درد کے دریا بہا دیئے تو نے
جراحتوں میں نمک بھر دیا تشکر کا　　اذیتوں میں تبسم گھلا دیئے تو نے
زمینِ کرب و بلا پر شہیدِ کرب و بلا　　ہزار کعبۂ معنی بنا دیئے تو نے
دلوں کو حوصلۂ غم کی تازگی دے کر　　نشاطِ کفر کے تیور بجھا دیئے تو نے
زہے کمال سیاست کہ زیرِ تیغ آ کر　　نگاہِ خلق سے پردے اٹھا دیئے تو نے
ہر ایک ذرۂ بے حس میں اک تڑپ بھر دی　　دماغ وضع کیئے دل بنا دیئے تو نے

☆☆☆

بعدِ حسینؑ یوں کوئی جلوہ نما نہیں ہوا　　حوصلۂ بشر کبھی کرب و بلا نہیں ہوا
نجم کہیں ہمارے بعد اہلِ عزا نہ یہ کہیں　　نجم کی طرح پھر کوئی نوحہ سرا نہیں ہوا
انھیں اس بات کا شدید دکھ تھا کہ:

جس قوم نے سر کی مُہم کرب و بَلا اس قوم میں ملتے نہیں آثارِ حیات

اور

وہ ٹھوکریں کھاتی پھرے تاریکی میں جس قوم کے ورثے میں ہو عاشور کا دن

وہ غمِ حسینؑ کو ہر برائی سے نجات کا ذریعہ سمجھتے تھے۔

نجم اس میں تصور بھی بے جا ہے برائی کا غم سبطِ پیمبرؐ کا جس دل کی امانت ہے

ان کی نگاہ میں اربابِ عزا کا مقام بہت بلند تھا۔

اے چشمِ حقیقت بیں ہر اہلِ عزا مجھ کو شبیر کے لشکر میں شامل نظر آتا ہے

نجم کے یہ اشعار شاعرانہ تعلّی نہیں، بیانِ حقیقت ہیں:

شعر و سخن میں نجم یہ ہیں بے نیازیاں بیٹھا ہوں اجتہاد کی قوت لیے ہوئے

☆☆☆

تقلید میری ہوتی ہے اہلِ سخن میں نجم چھایا ہوا دلوں پہ یہ رنگِ کلام ہے

☆☆☆

بہت پیام ملیں گے مرے سلام میں نجم نگاہِ غور سے نقّاد نے اگر دیکھا

مگر نقّاد کی صرف نگاہِ غور ہی نہیں ایک غیر جانب دار اور حقیقت نگار قلم بھی چاہیے۔

حقیقت یہ ہے کہ نجم آفندی نے رثائی ادب کا جو بیش بہا خزانہ چھوڑا اس میں اتنی توانائی ہے کہ وہ صدیوں تک انسانی شعور کو قوتِ فکر دیتا رہے گا۔ نوحوں اور سلاموں کی طرح ان کے مرثیے بھی اصلاحی، تبلیغی، بامقصد اور انقلابی مزاج رکھتے ہیں۔ ہمارے خیال میں جملہ مرثیہ گو اور دوسری اصنافِ رثا میں کہنے والے انہی کے نقشِ قدم پر چل رہے ہیں۔ وہ جوش ہوں کہ آلِ رضا، نسیم امروہوی ہوں کہ جمیل

مظہری سب ہی نے ان کی روشن کی ہوئی شمعوں سے روشنی حاصل کی ہے۔

مجھے یقین ہے کہ نجم آفندی جیسے خلوص کار کو اس کے حق سے کوئی محروم نہیں کر سکتا۔

''فراتِ سُخَن' کے مرثیے بھی نجم آفندی کی اس آواز کے حصار سے باہر نہیں۔ ۱۹۸۹ء سے ۲۰۰۲ء تک کے کہے ہوئے ان مرثیوں میں پہلا مرثیہ جس کا عنوان ہی ''مرثیہ'' ہے پاکستان میں کہا تھا اور باقی ''رفتار'' سے ''دعا'' تک نو مرثیے امریکا میں لکھے گئے۔ کوشش تو ضرور کی ہے کہ سامعین اور قارئینِ کرام کے اعتبار کے اہل بھی ہوں لیکن مجھے اس کوشش میں کتنی کامیابی یا ناکامی حاصل ہوئی اس کا فیصلہ آپ ہی کو کرنا ہے۔

برصغیر کی فضاؤں سے دور بالخصوص امریکا میں مرثیہ کی اہمیت اور انفرادیت کو اجاگر کرنا مشکل کام ہے۔ میں اپریل/۱۹۹۰ء میں کراچی سے مستقل ہجرت کر کے میری لینڈ میں مع اپنے خانوادے کے آباد ہو گیا اور اسی سال یہاں نوتصنیف مرثیوں کی مجالس کی بنیاد رکھی جو بحمد اللہ بغیر کسی ناغے کے باقاعدگی سے ہر سال ادارۂ فیضِ ادب اور مرثیہ فاؤنڈیشن کے زیرِ اہتمام منعقد ہوتی ہیں۔ اب تک پوری مغربی دنیا میں ایسی کوئی دوسری جگہ نہیں جہاں نوتصنیف مرثیوں کی سالانہ مجالس کا انعقاد ہوتا ہو۔ اس اعتبار سے ان مجالس کو شہرت اور اہمیت حاصل ہے۔ سامعین کا وہ ثقہ طبقہ جو مرثیہ کی فضا بناتا ہے شروع شروع میں ناپید تھا اس لیے ان مجالس کی رونق اور کام یابی کے لیے خاصی زحمتیں اٹھانا پڑیں لیکن رفتہ رفتہ یہ صورتِ حال بہتر ہوتی گئی اور لوگ مرثیہ کی مجالس میں بھی دل چسپی لینے لگے اور اب ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو ان

مجالس کے انعقاد کے منتظر رہتے ہیں۔ ان مجالس میں سامعین کی تعداد چار سو اور پانچ سو افراد پر مشتمل ہوتی ہے جو بڑی ہمّت افزا بات ہے۔ یہ صحیح ہے کہ مرثیہ عوام سے زیادہ خواص سے متعلق رہا ہے یہی وجہ ہے کہ ایک عام خطیب کی عام سی مجلس بھی سامعین کی جگہ کی گنجایش سے بھی تجاوز کر جاتی ہے۔ ہندوستان کی تو خبر نہیں کہ وہاں مرثیہ گو شعرا اب نہ ہونے کے برابر ہیں لیکن پاکستان میں نو تصنیف مراثی کی مجالس دیکھ کر بڑی مایوسی ہوئی۔ مجلسیں تو بہت ہوتی ہیں لیکن سننے والے کسی بھی مجلس میں ایک سو بھی نہیں ہو پاتے۔ اگر تمام چھوٹی بڑی مجلسوں کا اوسط نکالا جائے تو پچاس افراد سے زیادہ نہیں ہوتے۔ شاید اسی لیے اب مرثیے کی مجلسوں کے لیے امام بارگاہوں سے زیادہ گھروں کو ترجیح دی جاتی ہے۔ صرف مرثیہ ہی کی مجلسیں ہیں جہاں شرکاء کی تعداد مسجد کے نمازیوں سے بھی کم ہوتی ہے۔ اساتذہ شعرا اور ان کے حلقہ ہائے اثر کے آپس کے اختلافات نے اس منظر کو اور زیادہ تشویش ناک بنا دیا ہے اور افسوس ناک بات یہ ہے کہ اس کسمپرسی کے ازالہ اور تدارک کے لیے کوئی کچھ نہیں کرتا۔ لمبے لمبے اشتہارات چھپوا کر تقسیم بھی کیے جاتے ہیں لیکن آتے وہی ٹکے بندھے لوگ ہیں یا پھر مرثیہ گو کی اپنی شخصیت اور حلقۂ اثر کے لوگ ایسا بھی نہیں کہ کراچی میں مرثیہ سننے والے ناپید ہوں۔ کراچی میں مرثیہ سے متعلق تنظیموں کی تعداد نیویارک کی ادبی انجمنوں کی تعداد سے کم بھی نہیں لیکن ساری کوششیں ایک لاحاصل مقابلہ کے حصار میں گردش کرتی نظر آتی ہیں۔ فروغِ مرثیہ کی انجمنوں سے متعلق افراد ایسا لگتا ہے کہ اس صورتِ حال کے تواتر سے اس کے عادی ہو چکے ہیں اور مزید کسی اقدام کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتے۔ سوچنے سمجھنے والے ذہن بھی ہیں لیکن مصلحتیں اور

رنجشیں پیچھا نہیں چھوڑتیں۔ صرف مجلسوں کی خانہ پری کے بجائے اگر توجہات Quality control پر زیادہ ہوں تو شاید کوئی بہتر صورت نکل سکے۔ مرثیہ کے لیے خصوصی قاری کے ساتھ ساتھ عام قاری بھی ضروری ہوتا ہے ورنہ یہ کہنے کی ضرورت نہ ہوتی کہ

گو مرے شعر ہیں خواص پسند
پر مجھے گفتگو عوام سے ہے

میری نظر میں فروغِ مرثیہ کے دعویداروں میں زیادہ تر افراد اور ادارے نوتصنیف مراثی (جو ضروری نہیں کہ سب نوتصنیف بھی ہوں) کی مجالس کے انعقاد تک محدود رہے۔ البتہ شاہد نقوی صاحب کے ادارۂ تقدیسِ قلم نے دو سال اپنے ہاں پڑھے جانے والے مرثیوں کو کتابی شکل میں شائع کر کے ان کے ابلاغ اور حفاظت کا انتظام کیا۔ یہ ایک اچھی روایت تھی جس کو جاری رہنا چاہیے تھا لیکن افسوس ایسا نہیں ہوا نہ کسی اور نے اس کی پاسداری کی۔

مرثیہ فاؤنڈیشن پاکستان جس کا میں خود بھی بنیادی رکن اور امریکہ میں نمائندہ ہوں۔ اس اعتبار سے اپنی نظیر آپ ہے کہ اس نے اپنے زبانی دعوؤں کو ملبوسِ عمل بھی عطا کیا۔ اپنی ۱۳ سالہ حیاتِ مختصر میں تین وقیع کتابیں شائع کر کے ایک ایسی مثال قائم کی ہے جو لائقِ تحسین ہی نہیں قابلِ تقلید بھی ہے اور یہی انھیں دوسروں سے ممتاز کرتی ہے۔ غیر مطبوعہ مراثیٔ خلیق اور ظہیر دہلوی کے مراثی کی کتاب ''اوراقِ کربلا'' بلاشبہ مرثیہ فاؤنڈیشن کے بڑے کارنامے ہیں اور اب مولانا غضنفر حسین عروج کے مراثی زیرِ طبع ہیں جو بہت جلد دستیاب ہو جائیں گے۔ مرحوم شعرا کے مراثی کو تلاش کر

کے کتابوں میں محفوظ کرنا ایک ایسی خدمت ہے جس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے اور جس کا سہرا جناب اقبال کاظمی کے سر ہے۔ قمر حسنین کراچی سے باہر ہیں۔ میں بھی ہزاروں میل دور ہوں۔ لے دے کے ایک نیّر اسعدی ہیں جو اپنی دوسری ذمہ داریوں اور فرائض کے ساتھ اتنا وقت اور توجہ نہیں دے پاتے جتنی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ یہ سب کام جو مرثیہ فاونڈیشن اور اس کے اراکین کا سر بلند کیے ہوئے ہے ایک کمزور مگر پر عزم بوڑھے اقبال کاظمی ہی کا ہے۔ اللہ ان کو تندرست توانا اور خوشحال رکھے اور انھیں ایسے بہت سے کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ پچھلے دنوں جشنِ انیسؔ کے جلسے جو کراچی، حیدرآباد، لاہور اور اسلام آباد میں منعقد ہوئے اور چند سال قبل کراچی میں مرثیے پر سیمینار کا انعقاد بھی انھیں کا مرہونِ منت ہے۔ یہ سب اقدامات وہ ہیں جو دوسروں کے لیے مشعلِ راہ ہو سکتے ہیں مگر اس کے لیے ذاتی اختلافات اور گروہ بندیوں سے بلند ہو کر سوچنا ہوگا۔

جس طرح ڈاکٹر یاور عباس مرحوم پاکستان کی تاریخِ مرثیہ میں لافانی ہیں اسی طرح آنے والا وقت اقبال کاظمی کی خدمات کو نظر انداز نہیں کر سکے گا اور انھیں وہ خراجِ تحسین ضرور ملے گا جس کے وہ بجا طور پر مستحق ہیں۔

اور اب ایک حرفِ سپاس ان گرامی قدر اور لائقِ احترام افراد کے نام جن کی ہمت افزائیاں، مشورے، تعاون اور محبتیں فراتِ سخن کے اوراق میں عیاں و نہاں ہیں۔

۱۔ جناب ڈاکٹر اکبر حیدری کاشمیری — ہندوستان

۲۔ جناب ڈاکٹر کلب صادق

۳۔ جناب علامہ مرزا محمد اطہر

۴۔ جناب علامہ سیّد عقیل الغروی — ہندوستان
۵۔ جناب علامہ سہیل آفندی
۶۔ جناب ڈاکٹر سیّد تقی عابدی — کینیڈا
۷۔ جناب ڈاکٹر سیّد عروج اختر زیدی
۸۔ جناب سیّد عاشور کاظمی — برطانیہ
۹۔ جناب شاداں دہلوی — کراچی، پاکستان
۱۰۔ جناب سیّد سرفراز ابدؔ
۱۱۔ جناب محمد حیدر مجاہد زیدی
۱۲۔ جناب اقبال کاظمی
۱۳۔ جناب نیّر اسعدی
۱۴۔ جناب قمر حسنین
۱۵۔ جناب عبّاس قمر زیدی
۱۶۔ جناب وحید الحسن ہاشمی — لاہور، پاکستان
۱۷۔ جناب عدنان عادل
۱۸۔ جناب مولانا سیّد محبوب مہدی — شکاگو، امریکا
۱۹۔ جناب ڈاکٹر سیّد علی مومن — نیویارک، امریکا
۲۰۔ جناب سیّد حسن مومن
۲۱۔ جناب ڈاکٹر سید ناظر حسن زیدی
۲۲۔ جناب مولانا تسنیم زیدی

۲۳۔ جناب مامون ایمن نیویارک، امریکا

۲۴۔ جناب شکیل آزاد ورجینا، امریکا

۲۵۔ جناب نسیم فروغ میری لینڈ، امریکا

۲۶۔ جناب مسعود زیدی

۲۷۔ جناب عمران زیدی

۲۸۔ جناب میثم زیدی

۲۹۔ جناب ہانی زیدی

۳۰۔ جناب شانی زیدی

۳۱۔ جناب سیّد ساجد رضوی حیدرآباد، پاکستان

۳۲۔ جناب سیّد تقی رہبر

۳۳۔ جناب مولانا سیّد سخاوت حسین نیوجرزی، امریکا

معذرت طلب ہوں ان محترم اور قدر شناس خواتین سے جن کا حق تھا کہ اسی فہرست میں شامل ہوں مگران کے نام مصلحتاً قلم بند نہیں کیے گئے۔

خدا ان سب کو جزائے خیر دے اور ہمیشہ خوش حال، صحت منداور توانا رکھے۔ آمین

قطعاتِ تاریخِ طباعت "فراتِ سخن"

نتیجۂ فکر: نیّر اسعدی

فراتِ سخن ہے کہ موجِ فصاحت — بیانِ مودّت ہے شیریں زباں ہے
ستاروں کی مانند ہیں لفظ جس میں — زمینِ ادب پر یہ وہ آسماں ہے
یہ ہے آب و تابِ تخیّل سے روشن — جو مصرع ہے اس میں وہ اک کہکشاں ہے
یہ مظہر ہے دورِ جدیدِ رثا کا — جدیدیت اس کی ہر اک پر عیاں ہے
ہر اک لفظ اس میں ہے اک اشکِ ماتم — صریرِ قلم ہے کہ آہ و فغاں ہے
یہ باقرؔ کی تخلیق صنفِ رثا میں — مودّت کے جذبات کی ترجماں ہے
نمازِ سخن ہو ادا بزمِ غم میں — قلم کی زباں پر صدائے اذاں ہے
مجھے فکرِ تاریخ ہے عیسوی میں — مرا گوہرِ مقصد آخر کہاں ہے
صدا دی یہ ہاتف نے خلدِ ولا سے — کہ تقدیر تم پر بہت مہرباں ہے
لکھو اس کا سالِ طباعت یہ نیّرؔ — فراتِ سخن جوئے اشکِ رواں ہے

۲۰۰۳ء

دیگر

رہے گا دہر میں جب تک نظامِ چرخِ کہن
رہے گا مرثیہ گوئی کا شاد باد وطن

اُسی کے راہی ہیں باقرؔ جو راہِ طرزِ سخن
بہ فیضِ نیّرِ علم و ادب ہوئی روشن

ملی جسے بھی سخن میں رہِ دبیرؔ و انیسؔ
اُسی کو دہر میں حاصل ہوئی یہ قدرتِ فن

وہ صنف ہے کہ زوال اس کو آ نہیں سکتا
کہ بوئے فکر سے مہکا ہے مرثیے کا چمن

جناب فیضؔ رہے پیروِ کلامِ دبیرؔ
پسر ہیں فیضؔ کے اک پیروِ انیسؔ سخن

یہ خانوادۂ فیضِ ادب رہے زندہ
جو سلکِ مرثیہ گوئی ہو اس کے تن کا کفن

ستیزہ کار ہیں دو قوتیں حق و باطل
جہاں پہ ان کا عیاں ہوگا مرثیے سے چلن

غمِ حسینؑ میں ہر چیز محوِ گریہ ہے
کہ آبشار ہیں اشکِ عزائے کوہ و دمن

اُسی کے فیض سے جس کے قلم ہوئے بازو
مجھے بھی لکھنے لکھانے کا آ گیا ہے یہ فن

عیاں ہوا یہ سبھی پر کتابِ باقرؔ سے
بہ فیضِ مرثیہ شاداب ہے ادب کا چمن

میں اس کا سالِ طباعت رقم کروں کہ مجھے
ہے سہل کہنا بھی تاریخ کا بہ قدرتِ فن

اسی سے سالِ طباعت رقم ہوا نیّرؔ
قلم نے اشک بہائے ، چلی فراتِ سخن

٢٠٠٣ء

دیگر

صنعتِ تخرجہ

تاریخ لکھنا ہے جو طباعت کے سال کی — نیّرؔ بصد خلوص ذرا اس میں غور کر
تاریخ گوئی سہل ہے یوں تیرے واسطے — استاد دردؔ[1] ہیں ترے اس فن میں سَر بسر
شاگرد فیضؔ[2] کا ہے تو شاعر حسینؑ کا — تو مرثیہ نگار ہے، تو صاحبِ ہُنَر
باقرؔ بہ فیضِ حق ترے استاد بھائی ہیں — ہیں مرثیہ نگارِ شہنشاہِ بحر و بر
باقرؔ کا ہے جواب، نہ نیّرؔ کا ہے جواب — دونوں چلے ہیں راہِ انیسؔ و دبیرؔ پر
ہیں دونوں اپنی اپنی جگہ صاحبِ کلام — یہ فیضِ شاہِ دیں سے ہوئے صاحبِ نَظَر
اکیس مرثیے کہے نیّرؔ نے آج تک — باقرؔ نے مرثیے کہے دس حاصلِ ہُنَر
یہ مجلسِ حسینؑ میں منبر نشیں ہوئے — اہلِ عزا پہ ان کے بیاں کا ہوا اَثَر
باقرؔ کے مرثیوں کی جو آئی ہے یہ کتاب — اہلِ نظر کی نظروں میں ہوگی یہ مُعتبَر
اس میں کمالِ فکر و فن اک ساتھ ہے عیاں — اس باغ میں ہیں فکر و نظر کے گلاب تَر
نیّرؔ لکھے جو سالِ طباعت تو کیا عجب — اس پر ہے فیضِ حضرتِ سلطانؑ بحر و بَر
فکرِ رسا پہ اب جو ہوا فیضِ شاہؑ دیں — خود راہِ فن میں فکر رسا نے کیا سَفَر
مصرع جو خوب سالِ طباعت کا مل گیا — گونجی صدا یہ چرخِ تخیل پہ سَر بہ سَر
سر فکر کا جھکا کے طباعت کا سال لکھ — مَشکیزۂ اَدَب کو فُراتِ سُخن سے بھر

۲۰۸۳ – ۰ = ۲۰۰۳

۱۔ دردؔ اسعدی: نیّرؔ اسعدی کے غزل کے استاد
۲۔ فیضؔ بھرت پوری: نیّرؔ اسعدی کے مرثیے کے استاد

قطعۂ تاریخِ طباعت

شکیل آزاد

فُراتِ سُخَن آبِ وَالا صِفَات = ۲۰۰۳ء
فُراتِ سُخَن میں نُزولِ حَیات = ۲۰۰۳ء
قلَم کی تہجُّد فُراتِ سُخَن = ۲۰۰۳ء
فُراتِ سُخَن ہے نِصابِ نجات = ۲۰۰۳ء

ڈاکٹر سیّد تقی عابدی
کینیڈا

رہتا خموش کیوں مرے دادا کلیم تھے

مرثیہ کی تاریخ صدیوں کے صفحات پر بکھری ہوئی ہے اور اِسے بھی اُردو ادب کا المیہ سمجھئے کہ ابھی تک مکمل اور مستند اُردو مرثیہ کی تاریخ مرتب نہ ہو سکی۔ محمد حسین آزاد کا تجربہ ان کی شاہکار تصنیف ''آبِ حیات'' میں جو شاعری کے ادوار اور شاعری کی تاریخ میں کلیدی حیثیت رکھتا ہے نامکمل اور ناقص ہے اِسی لیے اس طرح کی ادوار کی تقسیم بھی مرثیہ کی تاریخ میں نقائص کا باعث بنے گی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اُردو مرثیہ کی ابتداء دکن سے ہوئی چناں چہ قلیؔ قطب شاہ سے سوداؔ تک، سوداؔ سے ضمیرؔ تک، ضمیرؔ سے دبیرؔ تک، دبیرؔ سے عروجؔ تک اور عروجؔ سے جدید مرثیے کے ایوان کے پانچ محکم ستون یعنی جوشؔ، نجمؔ، نسیمؔ، جمیل مظہریؔ اور آل رضاؔ تک اور پھر آل رضاؔ سے ندا فاضلیؔ، ہلالؔ، قمر زیدیؔ، وحید الحسن ہاشمی اور باقر زیدیؔ تک مرثیہ کا یہ کاروان ولائے آل محمدؐ کی شاہراہ پر رات دن ارتقا کی منزل پر گامزن ہے۔ کبھی اس کاروان کو گرم اور تکلیف دہ دشت سے گزرنا پڑا تو کبھی اسے نخلستان لکھنؤ کے شاداب چمنوں میں ڈیرا ڈالنا پڑا۔ کہیں یہ کاروان آباد شہریوں کی حویلیوں سے فیض یاب ہوا تو کہیں راہزنوں کے غیض و غضب کا شکار ہوا لیکن اس کی بانگ درا کی آواز جس میں ماتم کا شور و شین اور نعرۂ یا حسینؑ تھا کبھی اور کہیں رُک نہ سکی اور آج بھی یہ آوازِ جرس سنائی دیتی ہے پہلے پہل مرثیہ نگاری صرف ایک خالص عقیدتی جذبہ کے تحت کی گئی چناں

چہ دکنی مرثیہ نگار ہاشم علی برہان پوری نے لکھا:

ع = جز ثنا و مرثیہ شعرِ دگر کہنا غلط

یہ مرثیے سیدھی سادی زبان میں لکھے جاتے لیکن وقت کے ساتھ ساتھ اس میں ادبی چاشنی اور لطافت نظر آنے لگی۔ درگاہ قلی کی زبان ادبی محاسن سے مالا مال تھی۔

کب تک کرے گا قصۂ ماتم کتیں کتاب
کاغذ لہو لہو و قلم داں لہو لہو

یہی نہیں بلکہ اُسی ابتدائی دور سے بعض مرثیہ گو شعرا نے مضامین کی ندرت اور بیان کی حلاوت اور عروض کی صحت پر زور دیا اور دوسروں کو اس طرف توجہ کرانے کی کوشش بھی کی چناں چہ عبدالولی سورتی کہتے ہیں:

خام مضموں مرثیہ کہنے سے چُپ رہنا بھلا
پختہ درد آمیز عزلت نت تو احوالات بول

جب مرثیہ نگاری کی نوبت مرزا رفیع سودا تک پہنچی تو مضمون اور بیان پر توجہ ہونے لگی مرثیہ کو ادب کا شہ پارہ سمجھ کر اس کی نوک پلک سنوارنا ضروری سمجھا گیا۔ مشہور ہے کہ سودا نہ صرف خود بھی اس کی از حد پابندی کرتے تھے بلکہ دوسروں کو اس کی ترغیب دیتے تھے اور بعض مقامات پر کھڑے کھڑے ٹوک دیتے تھے پھر بھی عوام کا رجحان زیادہ تر مرثیہ کے بنیادی مضامین اور طرز بیان پر ہی ہوتا تھا۔ جس زمانہ میں سودا کے مرثیے کتابوں میں قید تھے خلیفہ محمد سکندر متوفی ۱۸۰۰ء کا ساٹھ بندوں کا مرثیہ تقریباً سو سال تک ہندوستان کی تمام تر مجالس کی زینت بنا رہا اور بقول ثابت لکھنوی "یہ مرثیہ اتنا مقبول ہوا کہ فقیر تک گلیوں میں پڑھتے پھرتے رہے۔"

ہے روایت شترا سوار کسی کا تھا رسولؐ
اس جگہ شہر مدینہ میں ہوا اس کا نزول
جس محلے میں بہم رہتے تھے حسنینؑ و بتول
ایک لڑکی کھڑی دروازے پہ بیمار و ملول
خط لیئے کہتی تھی پردے سے لگی زار و نزار
ادھر آ تجھ کو خدا کی قسم اے ناقہ سوار

یعنی مرثیہ کے میدان میں سوؔدا جیسا عظیم شاعر و ناقد جسے شاہ حاتمؔ نے ''پہلوان سخن'' کہا تھا خلیفہ سکندؔر جو پنجاب سے مہاجرت کر کے آئے تھے عوامی مقبولیت میں پیچھے رہ گیا جس سے اس بات کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے کہ مرثیہ میں قِصّہ خوانی کا بڑا دخل ہے اور سکندؔر نے اِسی سے فائدہ اٹھایا۔ انشاؔ نے ''دریائے لطافت'' میں ''بگڑا شاعر مرثیہ گو'' اور ''بگڑا گویا مرثیہ خواں'' کا فتویٰ دے کر اس راستے پر چلنے والوں کی ہمتوں کو مجروح کیا۔ اب ضمیؔر جیسے ضمیر شناس، دلگیؔر جیسے دلیر اور ویر، فصیحؔ جیسے فصاحت خیز اور خلیقؔ جیسے خلاق کی ضرورت ہوئی تاکہ اس عظیم ساختمان کو بنیاد سے سیدھے اور صحیح اُصولوں پر تعمیر کیا جائے اور بگڑے شاعر کو بڑھیا شاعر بنانے کی کوشش کی جائے۔

ضمیؔر نے کہا:

؎ دس میں کہوں سو میں کہوں یہ ورد ہے میرا
جو بھی کہے اس طرز میں شاگرد ہے میرا

اور پھر:

ع = ہر مرثیہ میں موجدِ طرزِ جدید ہوں

ع = اب تک کسی نے حُر کا سراپا کہا نہیں

اور کچھ ہی مدت بعد آسمان مرثیہ پر انیسؔ آفتاب بن کر اور دبیرؔ مہتاب بن کر چمکے اور ان کے بعد آسمانِ مریثہ میں روشنی کی کمی محسوس ہونے لگی لیکن مرثیہ کی دنیا تاریک نہ ہوسکی بلکہ روشنی کے دوسرے منبع روشن ہوگئے جن سے مرثیہ میں جوشؔ اور آسمانِ مرثیہ پر روشنیٔ نجمؔ، گلشنِ رِثا میں نسیمؔ کی آمد و رفت اور آلِ رسولؐ کی رضاؔ، مظہرِ جمیلؔ بنی رہی۔ یہی نہیں بلکہ وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ نئے نئے چراغ اپنی اپنی روشنی دینے لگے چناں چہ اِسی گلشن کی پیداوار جناب باقرؔ زیدی ہیں جنھوں نے اس قلیل مدت میں دس عظیم مرثیے کہے۔ ہر مرثیہ بذاتِ خود ایک مکمل رثائی دستاویز اور علمی ادبی کتاب ہے۔ حق تو یہ ہے کہ ہر مرثیہ پر سیر حاصل گفتگو رہے لیکن طوالت کا لحاظ رکھتے ہوئے ہم ان تمام مرثیوں پر اجمالی لیکن مستند گفتگو کریں گے تاکہ کسی حد تک اس محنت اور محبت کا حق ادا کیا جا سکے۔ باقرؔ زیدی کا پہلا مرثیہ جس کا مطلع ہے: ''سر بسر اپنے بزرگوں کا چلن رکھتا ہوں'' خود بعنوانِ ''مرثیہ'' ہے۔ یہ مرثیہ آج سے تقریباً تیرہ چودہ برس پہلے تصنیف ہوا اور پہلی بار پاکستان میں ۱۵ محرم ۱۴۱۰ ہجری مطابق ۱۸/اگست ۱۹۸۹ء کو پڑھا گیا۔ اس مرثیہ میں کل ۶۹ بند ہیں جس میں چہرہ یا تمہیدِ مرثیہ اور آخری دس بند حضرت امام حسینؑ کی رخصت سے متعلق ہیں۔

باقرؔ زیدی کا پہلا مرثیہ ان کے ذہنی رُجحان اور جولانیٔ طبیعت کی عکاسی کرتا ہے اس مرثیہ کو جدید طرز کے مرثیہ کی ایک جدید طرز بھی کہہ سکتے ہیں۔ جدید مرثیہ کے ابتدائی دور میں جوشؔ صفیؔ لکھنوی نجمؔ آفندی جمیلؔ مظہری نسیمؔ امروہی، آل رضاؔ موجدؔ سرسوی وغیرہ سے لے کر آج کے دور کے شعرا ندا فاضلی، قمرؔ زیدی، ہلالؔ نقوی،

وحید الحسن ہاشمی اور باقر زیدی نے اسی جدید مرثیہ کے شہر میں رہتے ہوئے بھی اپنی ایک جدید عمارت تعمیر کی جو دوسروں سے مختلف ہے۔ مثال کے طور پر باقر زیدی کے اس پہلے مرثیہ میں جو مسدس کی ہیئت میں رہتے ہوئے بھی اجزائے مرثیہ سے بے بہرہ ہے لیکن اس میں بھی مرثیہ کے تین اہم جز و یعنی چہرہ ماجرا اور رخصت شامل ہیں اور مرثیہ یہاں رخصت پر تمام ہوتا ہے اور مآلِ مرثیہ بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ چہرہ میں شاعر اپنا تعارف، شعر وسخن کی تاریخ، مرثیہ گوئی کی تاریخ، رزمیہ کی تاریخ، اُردو ادب میں مرثیہ کی افادیت اور مقامِ انیسؔ کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک ہی مصرعہ یعنی ٹیپ کے شعر کے مصرعہ کو تشبیب بنا کر رخصت کا سماں کھینچ دیتا ہے اور یہ عمل اس خوب صورتی اور صفائی سے ہوتا ہے کہ پیوند نظر نہیں آتا۔ یہاں میر انیسؔ کی منظر نگاری کی معجز بیانی کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

؎ پردہ خیمہ کا ابھی اُس نے اٹھایا جیسے
صاف دنیا کو یہ منظر نظر آیا جیسے
ع = داخلِ خیمہ ہوئے رخصت آخر کو حسینؑ

امام حسینؑ کی رخصت کو دس بندوں یعنی تیس ۳۰ اشعار میں پیش کرتے ہوئے شاعر نے رخصت کے تمام اہم مضامین یعنی شہزادی سکینہؑ سے رخصت، لیلیٰ اور شہر بانو کو صبر کی تلقین اور حضرت زینبؑ سے تفصیلی گفتگو میں نصیحت اور وصیت کا بیان کرتے ہوئے مرثیہ کو حضرت زینبؑ کی زبانی اطمینان بخش اور پرسکون شعر پر تمام کرتا ہے:

؎ سیلِ طوفان و حوادث سے گزر جاؤں گی
حشر تک نام رہے کام وہ کر جاؤں گی

اس مرثیہ کے چہرے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ باقرؔ زیدی کی تربیت ایک علمی باوقار مذہبی گھرانے میں ہوئی۔ گھر کا ماحول شاعرانہ تھا۔ اہلِ دول اور اہلِ علم کی حویلی میں در و دیوار سے شبیرؑ کی مداحی کی صدائیں گونج رہی تھیں۔ پشت در پشت مرثیہ نگاری کا وظیفہ جاری تھا۔ باقرؔ زیدی کے جد، پردادا، دادا اور والد سب ممتاز مرثیہ گو شاعر تھے اور اس ارثی خزینہ کو ظاہر ہونے کے لیے وقت کا انتظار تھا اور جب وہ وقت آیا تو کراچی کے مومنین نے دیکھا:

ے اک نئی لعل و جواہر کی دُکاں کھلتی ہے
اک زباں بند ہوئی ایک زباں کھلتی ہے

ہاں! فیضؔ بھرت پوری کے فرزند اکرام حسین کلیمؔ کے پوتے باقرؔ زیدی یہ کہتے ہوئے منبر پر رونق افروز ہوئے:

ے سر بسر اپنے بزرگوں کا چلن رکھتا ہوں
مدحتِ آل پیمبر کی لگن رکھتا ہوں

ے اک مہکتا ہوا شاداب چمن رکھتا ہوں
پھول برساتا ہے ہر دم وہ دہن رکھتا ہوں

ے ذکر شبیرؑ کی حاصل مجھے توفیق ہوئی
مرثیہ گویوں کی آواز سے آواز ملی

ے سر میں سودا ہے کہ ہوں مرثیہ خوانِ شبیرؑ
لوگ مجھ کو بھی کہیں مرتبہ دانِ شبیرؑ

ے اس سے بہتر نہ قلم کا کوئی مصرف ہو گا
خامہ فرفر جو چلے گا یہی رفرف ہو گا

نیتِ نیک سے باندھا ہے جو احرامِ سخن
اِسی آغاز سخن سے ہے سر انجامِ سخن

مرثیہ کے چہرے میں اس سے بہتر تعارف کی گنجائش نہیں ہوسکتی۔ باقرؔ زیدی نے اس عظیم ماموریت کے لیے توفیق اور تائیدالٰہی کی دعا کے ساتھ ساتھ پاکیزگیٔ نفس محنت اور ریاضت کی دوا بھی کی۔ اس فطری فن کار کے پاس وافر مقدار میں ادبی سرمایہ تاریخی مطالعہ، مذہبی جذبہ، فنی تجربہ، فکر وخیال کا اچھوتا اثاثہ پہلے سے ہی موجود تھا چناں چہ جیسے ہی طائر خیال آسمانِ ذہن پر نمودار ہوا اُسے الفاظ کے دام میں بند کر کے صحنِ صفحہ میں آزاد کیا چنانچہ کچھ ہی عرصے میں صحنِ چمن پر رنگ برنگ کے پرندوں کی نغمگی بکھرنے لگی۔ جدید مرثیہ میں عنوان پر سخنوری کرنا آسان نہیں کیوں کہ ہمارے تجربہ میں اس بھنور سے بہت کم شناور باہر نکل سکے چونکہ یہاں مرثیہ کا عنوان ہی مرثیہ ہے اس لیے اس دشت کی سیاحی کرنا جس میں ابھی راستوں کا تعین نہ ہوسکا مشکل ہی نہیں بلکہ جوئے شیر کی تلاش سے کم نہ تھا اِسی لیے آج تک اُردو مرثیہ کی تاریخ لکھی نہ جاسکی۔ اِسے معجز بیانی کہیے یا تائیدالٰہی کہ باقرؔ زیدی نے عالمی مرثیہ کی تاریخ کو تاریخی حیثیت دی۔ ہم اپنے ادعا کو ثابت کرنے کے لیے عالمی مرثیہ گوئی کی تاریخ کو چیدہ چیدہ مصرعوں میں ترتیب دے کر قارئین کو مطمئن کریں گے۔

یہ سخن حضرت صائبؔ کا مگر ہے موجود
شعر گوئی کی ہوئی حضرتِ آدمؑ سے نمود

نصرت حق سے جو مانوس مزاج اس کا ہے
مرگِ ہابیل سے دنیا میں رواج اس کا ہے

ع = قتل ہابیل پہ جو مرثیہ آدمؑ نے کہا
ع = ترجمہ پہلا یہ سریانی سے منظوم ہوا
ع = مرثیہ ظلم کے آغاز سے تحریر میں ہے
ع = رزمیہ لکھ کے کیا اہل خرد نے خرسند

ے اینیڈ اور اوڈیسی سے جو آغاز ہوا
اہل یونان سے ہومرؔ اثر انداز ہوا

ے اینیڈ لکھی جو ورجلؔ نے بڑھا روم کا نام
رزمیہ نظم ہوئی جلد ہی مقبول عوام

ے ہند کی بھاشا بھی کچھ کم تو نہ خوش قامت تھی
رزمیہ نظم کی تصویر مہا بھارت تھی

ے جان ملٹن نے بھی ایک جنت گم گشتہ لکھی
خوب شہرت ہوئی شہنامہ فردوسیؔ کی

ے ڈانٹے نے بھی دیا روم کو اک نقشِ جلی
طَرَبیّہ تھا خداوندی تو عزت بھی ملی

ے حزینہ رزمیہ دونوں کو ملا حُسنِ قبول
آج تک باغ سخن میں ہیں مہکتے ہوئے پھول

ے مرثیہ دونوں کے اوصاف کا گنجینہ ہے
عالمی نظموں کے معیار کا آئینہ ہے

ے وہی ایپک وہی جمہور کی نظمِ اعلا
پاس اُردو کے ہے کیا یہ کوئی بتلائے ذرا

ے مرثیہ سے بھی اگر صرفِ نظر ہو جائے
شب تاریک میں اندھے کا سفر ہو جائے
ے عالمی نظموں سے اونچا جو علم رکھا ہے
اس نے اُردو کا زمانے میں بھرم رکھا ہے
ے مرثیہ بھی یونہی اسلام کے آثار لیے
اپنے دامن میں ہے شبیرؑ کا کردار لیے
ے ظلم کے سامنے یہ سینہ سپر آج بھی ہے
مرثیہ مظہر تہذیب بشر آج بھی ہے
ے لے گئی اوجِ ثریا پہ اسے فکرِ انیسؔ
مرثیہ کا ہے جہاں ذکر وہاں ذکرِ انیسؔ

نظم کا مزا اس کے تسلسل میں ہے۔ ہم نے باقرؔ زیدی کے مرثیہ سے چند اشعار منتخب کر کے ایک ایسا موتیوں کا ہار بنایا کہ اس کے دائرے میں شعر وسخن کی تاریخ رزمیہ کی تاریخ، مرثیہ کی تاریخ اور میر انیسؔ کا مرتبہ ومقام نظر آنے لگا۔ یہ ہے فن کا کرشمہ اور اسی کو ''دریا کو کوزے میں سمونا کہتے ہیں۔''

اگرچہ باقرؔ زیدیؔ کا پہلا مرثیہ آپ کی پہلی ہجرت کے کئی سال بعد پاکستان میں لکھا گیا لیکن دوسرا مرثیہ بعنوانِ ''رفتار'' دوسری ہجرت کے صرف ایک سال بعد ہی امریکہ میں تصنیف ہوا جس کا مطلع ہے ''رفتہ رفتہ مری رفتارِ سخن تیز ہوئی'' پہلا مرثیہ تاریخی حوالہ جات کی دستاویز تھا اور یہ مرثیہ ادبی وسعتوں کا دفتر۔ اس تراسی [۸۳] بند کے مرثیہ میں صرف لفظ رفتار ۱۲۰ سے زیادہ بار استفادہ کیا گیا اور ہر موقع پر معنی اور

مطالب جداگانہ روش کے نقیب ثابت ہوئے۔ شاعر کے فن میں جتنی پختگی ہوگی اس کے گریز یا ماجرا میں اسی قدر نرمی اور ہم آہنگی ہوگی یعنی موضوع کو بدلتے وقت اجنبیت محسوس نہ ہوگی بلکہ ایک خاص تسلسل ہی برقرار رہے گا۔ اس مرثیہ میں بھی صرف چہرہ، گریز اور آغاز جنگ سے قبل استغاثہ ہے۔ چہرے میں رفتار پر مکمل بحث ہے پھر زمانہ کی رفتار اور اس کی مہار کے حامل حضرت ولیٔ عصرؑ کی حکومت کا ذکر اور اس شعر کے ساتھ گریز کا مصرعہ سننے والے کو گلشنِ شاعری میں مسحور کر دیتا ہے:

؎ آسمانوں سے جب اک تازہ ہوا آئے گی
قائمِ آلِ محمدؐ کی صدا آئے گی

؎ اس صدا سے مجھے اک اور صدا یاد آئی
عصرِ عاشور میں شبیرؑ کی وہ تنہائی

مضامین میں ندرت بیان پیدا کرنا باقرؔ زیدی کا ہنر ہے۔ ان کا مقصد محمدؐ و آل محمدؐ کے فضائل سے دلوں کو خوش کرنا اور ان کی مصیبتوں کے تذکرے سے دلوں کے تاروں کو چھیڑ کر آنکھوں سے آنسو بہانا ہے اور وہ بغیر شہادت اور بین کے اپنے طلسم زار خامہ سے یہ کام بڑی خوبی سے انجام دیتے ہیں۔ ہم اس مرثیہ کے ذیل میں عنوان کے تحت اس کے مختلف زاویوں کا ذکر اپنی گفتگو کا محور بنا کر یہ بتانے کی کوشش کریں گے کہ عنوان کو برتنے اور اس کو نبھانے میں کس قدر باقرؔ زیدی کامیاب رہے۔ کہتے ہیں سب سے پہلے عنوان کے تحت مرثیہ حضرت عباسؑ کی شان میں انیسؔ کے نواسے عارفؔ نے کہا اور پھر یہ روش عام ہوگئی اور پھر عنوان کے تحت جوشؔ کا مرثیہ ''پانی'' پانی کے عنوان کا حرفِ آخر ثابت ہوا جس کا مطلع تھا ''ہاں اے صباح طبع شبِ تار سے

نکل'' کیوں کہ دنیا کی ہر چیز متحرک ہے اور ایک خاص رفتار سے اپنے محور اور راستے پر گامزن ہے اس کو مرکزیت دے کر باقؔر زیدی نے نئے مضامین نکالے ہیں۔ اغلب بندوں میں ٹیپ کے شعر سے موضوع میں معنی آفرینی پیدا کی ہے زبان کی کرشمہ سازی نے مصرعوں میں جامد الفاظ کو ایسی رفتار دی ہے کہ تمام مرثیہ میں دریا کی روانی موجزن ہے جو شاعر کی زبان دانی کی سچی کہانی ہے۔ نت نئی ترکیبیں خوب صورت بندشیں، دوڑتی ہوئی تصویریں، زود فہم آسان تشبیہیں عام اور مشہور تلمیحیں، رفتار کی تفسیریں دکھاتی ہیں اور بقول خود شاعر:

وَصفِ رفتار میں شاعر کی زباں چلتی ہے

یہاں ہم فوق الذکر محاسن پر مثالیں پیش کریں گے۔

جدید ترکیبیں، رفتارِ سخن، وصفِ رفتار، اشہبِ کلکِ سخن، صحتِ افکار، نہنگِ رفتار، نبضِ ہستی، چشمِ تاریخ، جلوہ گرِ طور

تلمیحات: تختِ طاؤسِ سلیماں، منزلِ معراج

ندرتِ بیان: وقت کی ایک اکائی کا سفر ہے رفتار

ے طائرِ فکر کو صرصر کی روانی دے دے
تشنۂ آبِ سخن ہوں مجھے پانی دے دے

ع = کوئی رفتار نہیں ذہن کی رفتار سے تیز

ع = روح رفتار ہے اور جسم ہے ساری دنیا

ے نالے چڑھتے ہیں تو بڑھتی ہے ندی کی رفتار
کبھی لمحہ میں بھی ہوتی ہے صدی کی رفتار

ع = کربلا وقت کی رفتار بدل دیتی ہے

ع = آئے گا وقت کی رفتار بدلنے والا

ے چشمِ تاریخ میں یہ عہد نرالا ہو گا
ہر طرف نور محمدؐ کا اجالا ہو گا

باقرؔ زیدی نے اس مرثیہ میں تمہید ہی میں تلوار اور فرس کی رفتار پر بھی اشعار لکھے ہیں کلاسیک مرثیوں میں تلوار اور گھوڑے پر اتنے مضامین ہیں کہ اس کے بعد کوئی نیا مضمون باندھنا کمال کی نشانی ہے۔ چند اشعار دیکھیے۔

تلوار کی تعریف:

ے خوں برستا تھا تو تلوار پہ رنگ آتا تھا
ملک الموت بھی رفتار سے تنگ آتا تھا

گھوڑے کی رفتار:

ے حسنِ آواز میں تھا کبکِ دری کی صورت
ذوالجناح تھی کہ اُڑتا تھا پری کی صورت

کہتے ہیں شاعری جزو پیغمبری ہے۔ اس مرثیہ میں باقرؔ زیدی نے تقریباً ۱۲ برس قبل سامراجی ملکوں کی ستم کشی کو یوں بے نقاب کیا ہے کہ اس کا ہر مصرعہ آج کے زمانے کی رفتار کے ساتھ ساتھ ہے:

ے ان کو مل جاتا ہے لاکھوں کی تباہی کا جواز
ایسے جاسوس کے پا لیتے ہیں ہر ملک کے راز

ے منجمد بنک میں کر دیتے ہیں دولت ساری
ہضم کر جاتے ہیں قوموں کی امانت ساری

ے ان سے برداشت کوئی کام ہمارا نہ ہوا
اہلِ اسلام کا اک بنک گوارا نہ ہوا

ے سب کو معلوم ہے ان کا قد وقامت کیا ہے
بانٹ بندر کی ہے اور ان کی عدالت کیا ہے

ے ان کی صدام نوازی پہ کوئی غور کرے
چھوڑ آئے ہیں سلامت کہ ستم اور کرے

شاید ایسی ہی تخلیق کے جواز میں پیارے صاحب رشیدؔ کے شاگرد رشید مرحوم میر مہدی علی شہید یار جنگ نے کہا تھا۔

ے میں اٹھ کے شب کو جوگا ہے سلام لکھتا ہوں
تو لفظ لفظ بہ حکمِ امام لکھتا ہوں

باقرؔ زیدی کا تیسرا مرثیہ ''اسی کے نام سے کرتا ہوں ابتدائے سخن'' سخن کے عنوان پر معرکتہ الآرا تصنیف ہے۔ یہ مرثیہ اڑسٹھ بند پر مشتمل ہے اور صرف پندرہ دنوں میں لکھا گیا۔ یہ مرثیہ اپنی نوعیت سے ایک مکمل ادبی دستاویز ہے جس میں تاریخِ سخن، تعریفِ سخن، اقسامِ سخن کے علاوہ انوارِ چہاردہ معصومینؑ بخصوص عظمتِ حضرت فاطمہؑ کو عمدہ طریقے پر نظم کیا گیا ہے۔ اس مرثیہ میں صرف تیرہ بندوں میں حضرت علی اکبرؑ کی رخصت کو پیش کیا گیا۔ لفظِ سخن کی تکرار اس مرثیہ کی ادبی عظمت کو اجاگر کرتی ہے اور اڑسٹھ بند کے مرثیے میں سخن کا لفظ ۱۸۰ بار آیا ہے اور کہیں بھی یہ لفظ بھرتی کے طور پر استعمال نہیں ہوا بلکہ اس لفظ کے وجود سے کلام میں شان وشوکت اور بدیعی کیفیات پیدا ہوئیں اور سخن شناس، سخن داں، سخن پرور اور سخن وروں کو سخن پارہ کی اہمیت

کا اندازہ ہو گیا۔ اس مرثیہ کے چہرہ کو سخن کی منظوم نظم کہا جا سکتا ہے۔ اس مرثیے میں فصاحت اور بلاغت کی چاشنی موجود ہے۔ علمِ بیان کے محاسن، تشبیہات استعارات، کنایات کے ذکر سے نظم کی عروس کو محاسن کے زیورات سے سجایا گیا ہے۔ محاورات اور روزمرہ میں گفتگو باقر زیدی کی خاندانی زبان دانی کی روایت ہے جو مرثیہ کے پیکر میں استخوان بندی کی طرح مضبوط ہے۔ باقر زیدی کا مرثیہ ذہن کو مسلسل ایک مضمون کے محور پر پھراتا ہے لیکن ہر دائرہ دوسرے دائرے سے بڑا ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ تمام مضامین ان دائروں میں سما جاتے ہیں اور پھر قاری کے لیے کسی بھی نقطے سے مضمون کی ابتدا اور انتہا ہو سکتی ہے۔ اس مرثیہ کی ابتدا ''اسی کے نام سے کرتا ہوں ابتدائے سخن'' اور اس کا اختتام اس مصرعہ پر ہوتا ہے: ''کہ آج خاتمۂ پنجتن حسینؑ پہ ہے''۔

مرثیے کے تمہیدی بندوں میں پہلے دو شعر سخن کی تفصیل، تجلیل، تحلیل اور تمثیل سے مربوط ہیں اور ٹیپ کا شعر اس کی تائید، تنقید، تعریف اور تفسیر کی تنویر بن کر درخشاں ہے۔ شاعر نے نظم میں موقع اور ماحول کی نزاکت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بھرپور طریقے سے اپنے خیالات کا مجاہدانہ اظہار کیا ہے اور اپنے آبا و اجداد کے خون کی تاثیر دکھائی ہے:

؎ علیؑ کی مدح سے اونچا ہوا وقارِ سخن
غمِ حسینؑ بڑھاتا ہے اعتبارِ سخن

؎ اس ایک غم کے سوا اور غم نہ دے مجھ کو
غمِ حسینؑ کسی سے بھی کم نہ دے مجھ کو

اور یہی آواز دعا بن کر نکلتی ہے:

ے زوال جس کو نہ آئے وہ باکمال رہوں
غمِ حسینؑ کی دولت سے مالا مال رہوں
ے غمِ حسینؑ مجھے صبح و شام دے یا رب
مرے قلم کو یہی ایک کام دے یا رب

باقرؔ زیدی کی دعا مستجاب ہے۔ تقسیم ہند کی افراتفری نے حویلی سے ہاتھیوں کی سواری تو چھین لی لیکن ہمیشہ دل کے قاب قوسین میں آل عبا! کی سواری کی آمد شدید تر رہی۔ دولتِ غمِ حسینؑ نے ذاکری کی جاگیر عطا کی اور کاتب الٰہی نے محضر چرخ میں جو کچھ طلب کیا سب کچھ عطا کر دیا:

ع = مرے سخن کے حوالے سے نام ہو میرا
ے ہمیشہ جو رہے باقی وہ نام مل جائے
مرے سخن کو حیات دوام مل جائے

اگر سمجھنے کی کوشش کریں کہ سخن کیا ہے تو سنیے اور سر دھنیے جسے شاعر نے تقریباً چالیس اشعار میں بیان کیا ہے۔ ہم صرف چند اشعار مضمون کی طوالت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

سخن ہے حرف سخن لفظ ہے سخن کلمہ
سخن ہے نطق سخن حکم ہے سخن فقرہ
سخن ہے طنز سخن عذر ہے سخن طعنہ
سخن لغت ہے سخن بول ہے سخن تکیہ

محاورہ ہے مقولہ ہے تذکرہ ہے سخن
معاملہ ہے مقالہ ہے تبصرہ ہے سخن

ہر ایک طرزِ عبادت میں ہے سخن موجود
سخن سلام و تشہد سخن رکوع و سجود
سخن قیام و قعود و دعا ، قنوت و درود
سخن اذان و اقامت بگوشِ نومولود
نویدِ گریۂ مولود ہے ، صدائے سُخن
یَمِ حیات کا آغاز ہے بِنائے سُخن

تلمیحات اور محاورات کا ہجوم ملاحظہ ہو:

ے لب مسیح پہ جب قُم کا لفظ آتا ہے
سخن مَرے ہوئے انسان کو جِلاتا ہے

ے سنا ہے طور پر موسیٰؑ قیام کرتے تھے
کلیم تھے تو خدا سے کلام کرتے تھے

ے یہ کائنات نتیجہ اک حرفِ کُن کا ہے
تو جو بھی کچھ ہے یہ صدقہ اسی سُخن کا ہے

ے کوئی نکلتا ہے جب بن کے میثم تمار
سخن پھر اپنی زباں کھولتا ہے برسردار

ے جسے علیؑ کی محبت نصیب ہوتی ہے
اُسے سخن کی یہ دولت نصیب ہوتی ہے

ع = غم حسینؑ سے زندہ ہیں مر نہیں سکتے
ع = غم حسینؑ کی دولت کو عام کرتے رہے

ے غدیر خم کا وہ بن کون بھول سکتا ہے
وہ تہنیت کا سخن کون بھول سکتا ہے
ع = یہی بتاتا ہے کہ آدمی کا قد کیا ہے

اس مرثیہ میں انوارِ چہادہ معصومینؑ کے علاوہ حضرت فاطمہؑ کی مدحت بھی انوکھے اور خوب صورت طریقہ پر کی گئی ہے۔ رسول اکرم کی معروف حدیث "اول اوسط آخر اور کل محمدؐ ہیں" کو اس طرح شعر کے پیرائے میں بیان کرتے ہیں:

ے ہدف ہے ایک کمانیں بدلتی رہتی ہیں
سخن ہے ایک زبانیں بدلتی رہتی ہیں

ے عمل بدوش خدا کی کتاب ہیں زہراؑ
جو شاخِ گل ہیں پیمبرؐ گلاب ہیں زہراؑ

اس بند میں فضائل اور تلمیحات کے ساتھ قوافی کی دلکشی قابل غور ہے:

سخن حدیث کے کانوں کی بالیاں ان کی
کلامِ پاک کی آیات لوریاں ان کی
فرشتے پینے آتے ہیں چکیاں ان کی
فرازِ عرش پہ جاتی ہیں روٹیاں ان کی
فضیلتوں کو کہاں تک کوئی چھپالے گا
فدک نہیں ہے کہ قبضہ کوئی جمالے گا

ے رہِ نجات کے سب انتظام ان کے ہیں
رسولؐ ان کا ہے سارے امامؑ ان کے ہیں

بین مرثیہ کی اساس ہے اگر چہ مرثیہ میں بین اور گریہ وزاری پیدا کرنے کے لیے تمام اجزا کی ضرورت نہیں بلکہ گفتگو میں ایسے حالات اور جذبات پیدا کر دیئے جاسکتے ہیں کہ آنکھوں سے اشک خود بہ خود رواں ہو جاتے ہیں۔

باقر زیدی نے دو شعروں میں حضرت علیؑ اکبر کی رخصت کو لکھ کر دل کے تاروں کو ایسا چھڑا ہے کہ آنکھیں نم ہو جاتیں ہیں:

ے جواں بھتیجے پہ حسرت سے کی نظر، بولیں
زبان ساتھ نہیں دیتی تھی مگر بولیں

ے تمھاری ماں تو ہیں لیلیٰ تم ان کے جائے ہو
میں کون ہوتی ہوں کیوں میرے پاس آئے ہو

باقر زیدی کا چوتھا مرثیہ جو اڑسٹھ [۶۸] بندوں پر مشتمل ہے ''کربلا'' کے عنوان پر ہے جس کا مطلع ہے ''آج بھی سرچشمۂ فکر و عمل ہے کربلا''

بیسویں صدی میں ادب برائے ادب کم اور ادب برائے ہدف زیادہ شاعروں کا نصب العین رہا۔ ترقی پسند شاعروں کا تو نعرہ ہی یہی تھا لیکن وہ شعرا جو اس شناخت کو پسند نہیں کرتے تھے ان کی شاعری میں بھی اس پر توجہ زیادہ رہی۔ اردو ادب میں مرثیہ اپنے وجود ہی سے انسانیت، عدالت، پاکیزگی، اخلاقِ حسنہ اور طرفداریٔ حق کا حامل رہا:

ے انسان کو بیدار تو ہو لینے دے
ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں حسینؑ

ے قتلِ حسینؑ اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

کُلِّ یوماً عاشورہ کُلِّ ارضً کرب و بلا

مقدمہ شعروشاعری میں حالؔی نے صاف لفظوں میں بتادیا کہ اگر اردوادب سے مرثیہ خارج کردیا جائے تو اخلاق اور پاکیزگی اردوشاعری سے ختم ہو جائے گی۔ حقیقت یہ ہے کہ مرثیہ نے صرف اخلاق اور پاکیزگی کا درس نہیں دیا بلکہ زندگی کرنے کا ڈھنگ سکھایا، ظلم کے سامنے سر نہ جھکانے کا عملی پیغام دیا، مظلوموں سے طرفداری، ظلم وزور سے بیزاری اور طاغوتی طاقتوں سے معرکہ گیری کی قوتوں کی نشوونما کی:

؎ سر داد نہ داد دست در دستِ یزید
حقا کہ بنائے لا الہ است حسینؑ

ظاہراً لفظ کربلا خود اردو شاعری کا استعارہ ہے۔ لفظ کربلا کہنے کے بعد مزید اس بات کی گنجائش نہیں ہوتی کہ یہ حق کی کشمکش باطل کے خلاف ہے یہاں حق کی فتح اور باطل کی شکست ہے۔ کربلا کا موضوع اردو مرثیوں میں جگہ جگہ نظر آتا ہے۔ باقؔر زیدی کے اس مرثیہ کا آہنگ رزمیہ شاعری کے مزاج کے مطابق ہے۔ مصرعوں کا تیور جنگ کی صفوں کی یاددلاتا ہے۔ اس میں آغاز ہی سے انجام کی نقاب کشی نظر آتی ہے۔ باقؔر زیدی فرماتے ہیں:

؎ اک نمونہ بہرِ اقوام و ملل ہے کربلا
آمروں کی موت شاہوں کی اجل ہے کربلا

؎ یہ حسینؑ ابنِ علیؑ کا آخری اقدام ہے
اور اسی اقدام سے باقی خدا کا نام ہے

؎ کی طہارت قلب کی ذہنوں کو طاہر کردیا
اس نے مفہومِ شکست و فتح ظاہر کردیا

؎ اقتدارِ ظلم میں مظلوم کی دمساز ہے
حشر تک باقی رہے گی جو یہ وہ آواز ہے

ع = کاٹ دی تلوار جس نے اپنے خوں کی دھار سے

درس کربلا کا حاصل اس سے عظیم اور برگزیدہ کیا ہوسکتا ہے جس اطمینان اور چیلنج کیساتھ یہ شعر کہا گیا ہے اس کی صداقت پر حرف نہیں آسکتا۔

؎ درسِ عزمِ کربلا کو جو بھلا سکتا نہیں
اس کی پیشانی کوئی آمر جھکا سکتا نہیں

آج کے تمدنِ بزرگ میں ہر طرف ظلم و جور کا شور ہے۔ دنیائے اسلام آج افسوس ناک واقعات سے دوچار ہے۔ ہر فرقہ دوسرے فرقہ کو گمراہ سمجھتا ہے۔ ایسے پُر آشوب ماحول میں صرف کربلا کا درس ہی درمان اور حل ہوسکتا ہے۔

؎ اک تمدن چاہیے اب کربلا کے نام کا
تاکہ پھر سے بول بالا ہوسکے اسلام کا

کیوں کہ: ع = کربلا وقت و زماں کی قید سے آزاد ہے

؎ کشتیٔ ایماں کو رکنے ہی نہیں دیتی کبھی
پیشِ باطل حق کو جھکنے ہی نہیں دیتی کبھی

؎ کربلا کے سامنے شاہی سسکتی لاش ہے
ہر یزیدِ وقت کی یہ اک شکستِ فاش ہے

؎ گردنِ باطل کی شہ رگ سے لہو پیتی ہے یہ
موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے جیتی ہے یہ

ے ڈوب کر دریائے خوں میں پار اترنا سیکھ لو
جینا عزت سے اگر چاہو تو مرنا سیکھ لو

یہ باقرؔ زیدی کربلا نہیں بلکہ اسلام کی فتح کا فتح نامہ لکھ رہے ہیں۔ اس کے ایک ایک شعر پر شاہ نامہ کے اوراق نثار۔

یہ مصرعے برہنہ شمشیر بن کے مجاہد کے ہاتھ آ جائیں تو اسلام کی تقدیر سنور جائے۔ ان مصرعوں میں گھن گرج شاعر کی رگوں میں دوڑتے خون کی تاثیر ہے جو صدیوں سے اس تجربے سے دوچار رہی ہے۔

ے ظلم کے دریا کا دھارا اور بہہ سکتا نہیں
تختِ شاہی اس کی زد میں آ کے رہ سکتا نہیں

اب اس مرثیہ کا الہامی شعر دیکھیے شاید یہ مضمون اس سے اچھا کسی سے ادا ہی نہ ہو سکے۔ باقرؔ زیدی نے چودہ صدی کی کربلا کی داستاں کو اسلام کے پیش و پس منظر میں صرف ایک شعر یعنی دو مصرعوں یا انیس (۱۹) الفاظ میں یوں بیان کیا کہ اگر انیسؔ زندہ ہوتے تو انھیں فرطِ محبت سے گلے لگا لیتے۔

ے کرب سے یہ بات کہتا ہوں بلا کا فرق ہے
کلمہ گو سب ہیں شعارِ کربلا کا فرق ہے

جب غالبؔ کے ہم عصر مصطفیٰ خان شیفتہؔ نے میر انیسؔ کا مرثیہ ''آج شبیرؑ پہ کیا عالم تنہائی ہے'' پڑھا تو کہا کہ ''انیسؔ نے سارا مرثیہ بے خود کہا۔ صرف یہی مطلع کا مصرعہ پورا مرثیہ ہے۔ اس مصرعہ میں انیسؔ نے اس حقیر لفظ ''کیا'' میں دونوں جہاں کی تنہائی کو سمو دیا ہے۔ یقیناً باقرؔ زیدی کے مصرعۂ اول میں ''بلا'' میں ''بلا'' کی وسعت

ہے اور شعارِ کربلا کو ملائیے تو معلوم ہوگا کہ اس سے بہتر تاریخِ کربلا پر شعر لکھا نہیں جاسکتا۔ درس کربلا میں ایک اہم درس اتحاد بین المسلمین ہے کیونکہ کربلا کے بہتّر شہیدوں کا اگر جائزہ لیا جائے تو اس میں ہر زبان، مکان، رنگ و نسل اور قوم کے افراد شامل تھے۔

رنگ و نسل و قوم کے بھی حل یہاں موجود ہیں
کربلا سے ہٹ گئے تو راستے مسدود ہیں

سب مسلماں بھائی بھائی مانتے ہیں یہ بھی سب
پھر مسلمانوں بھائی کی آپس میں لڑائی کا سبب
اختلافِ فقہ سے بدلے ہیں یوں نام و نسب
ایک قرآں، ایک نبیؐ اور ایک ہی ہم سب کا رب
ہم موحد ہیں تو یہ وحدت بھی آفاقی رہے
کیا ضروری ہے کہ فرقوں میں بھی ناچاقی رہے

مشکلیں در پیش ہیں ہم کو تو حل بھی چاہیے
جوشِ ایمانی تو ہے جوشِ عمل بھی چاہیے

باقر زیدی کا پانچواں مرثیہ بعنوان ''طاقت'' چھیاسی۸۶ بندوں پر مشتمل ہے جس کا مطلع ہے ''طاقتِ حرف سخن آج دکھانا ہے مجھے'' اگر جدید مرثیہ کی روایتی تاثیر کے تحت باقر زیدی کے مرثیوں کو دیکھا جائے تو ان مراثی میں نجم آفندی اور جمیل مظہری کے مرثیوں کی گونج سنائی دیتی ہے۔ باقر زیدی کو نجم آفندی سے خاندانی وصلت بھی ہے آپ کی شریک حیات نجم آفندی کی بھتیجی ہیں۔ نجم نے کہا تھا:

قدرت ہے اگر نجمؔ تو نوحے کی زباں میں
ہر قوم کو شبیرؑ کا پیغام سنا دے

چنانچہ صرف فرق اتنا ہے کہ یہاں باقرؔ زیدی نے مرثیہ کی زبان کو اس کام کے لیے انتخاب کیا۔ تنقیدی لحاظ سے باقرؔ زیدی کے مرثیے تبلیغی مرثیوں میں شمار کیے جاسکتے ہیں جس میں اخلاق اور کردار سازی حق اور مظلوم کی حمایت انسانیت کی پاسداری شامل ہے۔ چنانچہ اس مرثیہ ''طاقت'' کے آغاز میں کہتے ہیں:

خفتہ احساس جگانا ہیں سنو اے باقرؔ
مرثیہ فکر کی طاقت سے لکھو اے باقرؔ

اور جب فکر کی طاقت سے مرثیہ لکھنا شروع ہوا تو:

؎ شعر الہام ہے جو دل پہ اترتا ہے مرے
ڈھل کے الفاظ میں ہونٹوں پہ سنورتا مرے

اس چھیاسی[۸۶] بند کے مرثیہ میں ۱۲۰ سے زیادہ بار ''طاقت'' کا لفظ مختلف موضوعات اور معانی میں پیش ہوا۔ اس گفتگو میں ہم صرف یہ ظاہر کریں گے کہ باقرؔ زیدی کے تخئیل کی وسعت اور قادر الکلامی کی قدرت نے جو طاقت کے جوہر دکھائے ہیں وہ اس کے مصرعوں میں بیان ہونے والے مختلف طاقت کے پیرائے اور زاویوں سے ظاہر ہے۔ مثال کے طور پر نظر کی طاقت، سحر کی طاقت، فکر کی طاقت، رسا کی طاقت، ولا کی طاقت، حق کی طاقت، خدا کی طاقت، ایماں کی طاقت، سلیمانؑ کی طاقت، علم کی طاقت، قلم کی طاقت، وطن کی طاقت، من کی طاقت، فن کی طاقت، ذہن کی طاقت، سخن کی طاقت، اَنا کی طاقت، ارض و سما کی طاقت، لا کی طاقت، ظلم و

جفا کی طاقت، دہر کی طاقت، غم کی طاقت، قسم کی طاقت، صبر کی طاقت، جبر کی طاقت، شفا اور دعا کی طاقت، سم و بم کی طاقت، حسینی اور خمینی کی طاقت، ضو اور جو کی طاقت، توفیق، تحقیق اور تخلیق کی طاقت، یہی نہیں بلکہ

متعجب ، متحیر ، متلاطم طاقت
متناسب ، متواتر ، متحکم طاقت
متعصب ، متنفر ، متصادم طاقت
متحارب متکبر ، متخاصم طاقت

طاقت کے اور بھی کرشمے سنیے:

؎ اس کے پانی سے ہے ہر چہرۂ گل رنگ پہ آب
رقص و آہنگ غزل شعر و سخن چنگ و رباب

؎ دل کو حاصل تھی جو مظلوم حسینؑ طاقت
بن گئے وقت کی آقائے خمینی طاقت

اور یہی ولا کی طاقت، عشقِ آلِ عباؑ کی طاقت اور حق کی طاقت کی وجہ سے:

؎ قصرِ طاغوت کی بنیاد ہلائی ہم نے
دشت میں خون کی دیوار اٹھائی ہم نے

؎ ہم حسینیؑ ہیں یہاں ساتھ نہیں دے سکتے
ہر کسی ہاتھ میں ہم ہاتھ نہیں دے سکتے

کیوں کہ ہمارے آقا حسینؑ نے بقول خواجہ معین الدین چشتی اجمیری:

؎ سرداد نہ داد دست در دستِ یزید
حقا کہ بنائے لا الہ است حسینؑ

اور ہمیں بھی آج لا الہ کی بنیادوں کو باطل کی ضرب کاری سے بچانا ہے۔

باقر زیدی کا چھٹا معرکتہ الآرا مرثیہ جو مختلف زاویوں سے منفرد البیان ہے پہلی بار ۱۹۹۶ء میں میری لینڈ امریکہ میں پڑھا گیا جس کا مطلع ہے: ''جب ضیا بار ہوا مہرِ جہانِ اردو'' یہ مرثیہ حضرت علی اصغرؑ کی شہادت سے منسوب ہے۔ مرثیے میں کل اٹھاسی[۸۸] بند ہیں۔ اس مرثیہ کو بھی شاعر نے اپنے دوسرے مرثیوں کی طرح عنوان دیا ہے لیکن یہ عنوان اردو اچھوتا اور دلچسپ بھی ہے۔ باقر زیدی کے مرثیوں میں عنوان صرف برائے عنوان نہیں ہوتا بلکہ عنوان قاری کے ذہن کو ایک طولانی سفر کے لیے تیار کرتا ہے ان کی شعری شریعت میں عنوان سے انحراف گناہ ہے جو دشوار عمل ہے۔ عنوان پر سیر حاصل گفتگو ان کے وسیع علم اور مطالعہ کی دلیل اور عنوان پر آمدی شعران کی فکر اور تخئیل تجلیل اور بحرِ نظم میں مصرعوں کا بہاؤ، الفاظ کا چناؤ اور زبان برتنے کا نبھاؤ ان کی قادر الکلامی کا ثبوت ہے۔ ہم اس مرثیہ کے ذیل میں مصرعوں کی زبانی اپنی کہانی بیان کرنے کو ترجیح دیں گے۔ شاید ہی کسی اردو مرثیہ کے چہرے میں اس طرح سے اردو کی تاریخ نظم کی گئی ہو:

فعل بھاشا سے لئے ، نام لیا تُرکی سے
فارسی سے لیں تراکیب مَثَل ہندی سے
اصطلاحات لیں سائنس کی انگریزی سے
کہیں سندھی سے لیا کچھ کہیں پنجابی سے

کام سب ہی سے ضرورت کے لئے ہیں اس نے
جام ہر دیس کی صہبا کے پیئے ہیں اس نے

ے سب سے کم عمر ہے لیکن یہ جواں سال بھی ہے
دولتِ لفظ و معانی سے خوش اقبال بھی ہے

ے سندھ و پنجاب کی آغوش میں چلنا سیکھا
دکھنیوں میں یہ رہی خیر سے بچپن گذرا

ے تربیت دلی میں پائی تو لڑکپن نکھرا
لکھنؤ پہنچی تو تہذیب و سلیقہ آیا

ے اور بھی نکھری نئی رُت جو سُہانی آئی
چشمِ بددور کہ اب اس پہ جوانی آئی

ے چاہنے والوں کی تقدیر بنادیتی ہے
مومنؔ و مصحفیؔ و میرؔ بنادیتی ہے

ے میرؔ تو میر ہیں، اربابِ ادب پر غالبؔ
یہ اسد سے ہوئے غالبؔ تو ہیں سب پر غالب

ے اس کی تدریج میں دستورِ وفا شامل ہے
اس کی ترویج میں زہراؑ کی دُعا شامل ہے

اس کے ساتھ شاعر نے اردو کے پینتیس[۳۵] حروفِ تہجی سے ایک خوبصورت عقیدتی شعری ادبی اور تاریخی موتیوں کی مالا بنائی اور عروسِ اردو کی گردن میں گلو بند کی طرح ٹانک دیا ہم یہاں ان مصرعوں کو اس اعتماد سے پیش کرتے ہیں کہ ان کی داد دیئے بغیر کوئی قاری بھی نہیں رہ سکتا۔

الف اردو میں ہے اللہ کا ایماں کی طرح
ب سے بارش ہے کسی رحمتِ باراں کی طرح
پ سے ہیں پنج تنِ پاک، رگِ جاں کی طرح
ت سے تقدیس ہے تسبیح شماراں کی طرح
ٹ سے ٹوٹے ہوئے الفاظ بھی نازاں اس کے
ث سے ثابت ہے کہ سب ہی ہیں ثنا خواں اس کے
ج سے جامۂ ہستی جَسَدِ جاں کی طرح
چ سے ہے چاہ کسی چاہِ زنخداں کی طرح
ح سے حوّا، بنی آدم کے لئے ماں کی طرح
خ سے خط ہائے عبارت خطِ ریحاں کی طرح
د سے درک ہو خود لوگ دبستاں بن جائیں
ڈ سے ڈرتے نہ ہوں، ڈھنگ کے انساں بن جائیں
ذ سے ذہن و ذکا، قوتِ پنہاں کی طرح
ر سے رشحاتِ قلم نظمِ بہاراں کی طرح
ڑ تو بس ڑ ہے کسی بے سروساماں کی طرح
ز سے ہیں زیر زبر، پیش زباں داں کی طرح
ژاژ خا ژ سے کہ ژولیدہ بیاں ہوتا ہے
س سے سانجھ سویرے کا سماں ہوتا ہے
ش شبیر کا ہے شاہِ شہیداں کی طرح

ص سے صاد ہے اک سورے کے عنواں کی طرح
ض سے ضیق میں دم ضعفِ ضعیفاں کی طرح
ط ہے طُرّہٗ دستار فقیہاں کی طرح
ظ سے ظلم ہے ظاہر ، ابوسفیاں کی قسم
ع سے عشق علیؑ ، بوذرؓ و سلماںؓ کی قسم
غ سے غیبت کُبریٰ ، شب ہجراں کی طرح
ف سے ہے فارسی سعدی کی گلستاں کی طرح
ق سے چاروں ہیں قُل قالبِ قرآں کی طرح
ک سے کافِ کرم ، کارِ کریماں کی طرح
گاف گُستاخ کو گفتارِ گریزاں کہیے
ل ، لاحول وَلاَ برسرِ شیطاں کہیے
م سے ماہِ دو ہفتہ مہِ شعباں کی طرح
ن سے نعت نبیؐ نظمِ نفیساں کی طرح
و ، واسوخت میں ہے سوختہ ساماں کی طرح
ہ سے ہجرت ہے ، کسی صورتِ امکاں کی طرح
ی سے یوسفؑ ہیں جنہیں یوسفِ کنعاں کہیے
یائے مجہول کو اک کُلبۂ احزاں کہیے

یہ سچ ہے کہ میر انیسؔ کے مرثیوں میں ہر خشک وتر کا ذکر نظر آتا ہے۔ میر صاحب کے مرثیوں کی وسعت کا کینوس اتنا دراز اور کشادہ ہے کہ اس سے پوری طرح تجاوز ممکن

نہیں۔ جدید مرثیہ گویوں کے لیے نئے مضامین اور نت نئے طریقوں سے مرثیہ میں جدیدیت پیدا کرنا آسان نہیں لیکن اس مرثیہ کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جدید فکر نے جدید گوشے نکالے اور اس کو خوب نبھایا۔ اگرچہ ابھی تک اردو مرثیہ کی تاریخ مرتب نہ ہوسکی لیکن اس مرثیہ میں شاعر نے تاریخِ مرثیہ کے عظیم انقلابات واقعات اور شعرا کے تذکروں کا جس خوبی اور ایمانداری سے ذکر کیا ہے وہ مستند ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ باقرؔ زیدی کی یہ عرق ریزی اور خارہ شگافی مرثیہ کی تاریخ لکھنے والوں کے لیے کمک رساں اور چراغِ درخشاں ثابت ہوگی۔ باقرؔ زیدی نے اس ایک مرثیہ میں ایک سو پچاس ۱۵۰ سے زیادہ مرثیہ گویوں کے نام نظم کیے ہیں اور پھر خدائے سخن میر انیسؔ کا اعتراف کرتے ہوئے ان کو حسین خراجِ عقیدت پیش کیا ہے جوان کا حسن بیان اور حسن کمال ہے۔ مرثیہ کا تاریخی پس منظر صفحہ قرطاس پر پیش ہوتا ہے:

؎ مرثیہ گوئی کی بنیاد دکن ہی میں پڑی
گول کنڈہ کا وہ با ذوق جو حاکم تھا قلیؔ

؎ مرثیہ پہلا کہا جس نے وہ شاعر تھا وہی
شعر اک لاکھ لکھے جس نے وہ ماہر تھا وہی

؎ آبرو عاصمیؔ مسکینؔ و گداؔ نے کیا کام
نصب دلی میں کیے مرثیہ گوئی کے خیام

؎ فضلِ مولا سے ہوا فضل کو حاصل وہ مقام
لکھی کربل کی کتھا جس سے کہ باقی رہا نام

ـــ مرثیہ ایک سکندؔر نے مقدس لکھا
شش جہت میں ہوا مقبول مسدس لکھا
ـــ ہاشمؔ و باقرؔ و آگاہؔ و علاؔ و افضلؔ
سب کے افکارِ جمیلہ سے بڑھا حُسنِ عمل

پھر سات بندوں میں شاعروں کے نام ثبت کیے اور آخر میں انیسؔ اور خاندانِ انیسؔ پر یوں حجت تمام کی:

ـــ قندِ شیریں دَھناں جس کی سلاست وہ سلیسؔ
سخنِ عرش مکاں جس کی ریاست وہ رئیسؔ
ـــ مطلعِ لطف زباں جس کی نفاست وہ نفیسؔ
مقطعِ حُسنِ بیاں جس کی بلاغت وہ انیسؔ
ـــ ادب وشعر میں قرآن کی صورت ہے انیسؔ
مذہبِ مرثیہ گوئی کی شریعت ہے انیسؔ

''لایق شکر ہے ہر حال میں نعمت گھر کی'' باقرؔ زیدی کے ساتویں مرثیہ کا مطلع ہے جو تراسی[۸۳] بندوں پر مشتمل ہے اور ۱۹۹۷ء میں میری لینڈ امریکہ میں پڑھا گیا۔ اس مرثیہ میں بھی عنوان کی ہیئت کو شاعر نے ہر طریقہ سے اجاگر کیا۔ اس مرثیہ کی خاص بات یہ ہے کہ اہلبیتؑ کے گھر کی عظمت، بیت اللہ کی عظمت اور حضرت آدمؑ کے پہلے گھر یعنی جنت کے گھر کے تذکرے کے ساتھ حضرت ابو طالبؑ کے گھر کے اسلام پر احسان بیان کیے گئے ہیں جنھیں ہم طوالت کی وجہ سے صرف ایک بند پر تمام کرتے ہیں:

مَعرَضِ بحث میں ایمان ابوطالبؑ کا
رہتی دنیا پہ ہے احسان ابوطالبؑ کا
اپنے معبود سے پیمان ابوطالبؑ کا
ذوالعشیرہ کا وہ اعلان ابوطالبؑ کا

جس کی نسلوں کا لہو شہ رَگِ اسلام میں ہے
ساری تکلیف مسلماں کو اُسی نام میں ہے

باقرؔ زیدی کا ہر مرثیہ ایک خاص ذہنی نصاب کے تحت لکھا جاتا ہے۔ خیالات کے ہجوم سے وابستہ مطالب کو موتیوں کی طرح رشتۂ نظم میں پرونے کا فن ان کے پاس اتنا دلکش ہے کہ بعض اوقات مرثیہ کی مالا جپتے وقت یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ ایک موتی کہاں ختم ہوا اور دوسرا کب شروع ہوا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ موصوف نے اپنا نوتصنیف مرثیہ جوان کا آٹھواں مرثیہ تھا پہلی مرتبہ میرے غریب خانہ لانگ آئی لینڈ نیویارک میں ۲۱ رجون، ۱۹۹۸ء کو پڑھا تھا جس کے ہر مصرعہ پر انھیں داد ملی اور مدتوں شہر میں اس مرثیہ کا چرچہ رہا۔ اس مرثیہ کا عنوان ''آیاتِ سخن'' ہے جس کا مطلع ہے ''پھر کوئی تازہ سخن اے مرے پندارِ سخن'' یہ مرثیہ حمد، نعت، منقبت، سلام اور نوحہ پر مشتمل ہے۔ اس مرثیہ میں باقرؔ زیدی نے اپنی قادر الکلامی اور شعری فنون پر اپنی کامل گرفت کا خوبصورت مظاہرہ کیا ہے۔ صرف گیارہ اشعار میں اسمائے الٰہی کو نظم کرنا معجز بیانی نہیں تو پھر کیا ہے۔

وہ مُمیت اور وہ مانع وہ مُجیب اور شکُور
وہ موخر وہ مصور وہ مہیمن وہ صبور

ہے وہ مُقدم وہی نافع وہی ستار و غفور
پاس رہتا ہے سبھی کے، وہ کسی سے نہیں دور

اَحَد و واجد و ماجد ، صمد و نور و مجید
و احد و اوّل و توّاب و مُعِز ، عدل و معید
باعث و وارث و فتّاح ، متین اور رشید
قادرِ و آخِر و وہّاب و حکم ، عفو و حمید

ضار و جبّار و مُقیت و مُتکبر باطن
خافض و قابض و قدّوس و مُذل و مومن

وہ خبیر اور کبیر اور بصیر اور حکیم
وہ رقیب اور حسیب اور لطیف اور حلیم
وہ وکیل اور حفیظ اور جلیل اور عظیم
وہ بدیع اور عزیز اور سمیع اور علیم

ملِک و منتقم و مالِک و غفار و کریم
مُتعَالی و مُحی ، واسع و رحمان و رحیم

باسط و مُقسط و رزاق و رؤف و باری
ظاہر و مقتدر و خالق و محصی باقی
جامع و رافع و قیوم و سلام و ہادی
غنی و مغنی و قہّار و ودود و والی

مُبدی وحی و قوی ، بَرّ و ولی ہے اللہ
ایک ہی نام بچا ہے سو علی ہے اللہ

یہی نہیں بلکہ چہرے کے بعض اشعار میں ابجدی اعداد سے مطالب نکالے ہیں جو باقر زیدی کی تاریخ گوئی کے فن پر گرفت کی دلیل ہے:

لا سے ھوٗ تک جو جُمل سے ہے حساب ابجد
سو وہی ایک سو دس۱۱۰ اسمِ علیؑ کے ہیں عدد

حمدالٰہی سے نعتِ نبی کے لیے گریز کی خوبصورت بیت دیکھئے:

حد کہیں جس کی نہیں ہے کوئی ، بے حد ایسا
جس نے پیدا کیا انسان ، محمدؐ ایسا

اس مرثیہ کی اور ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں نو بندوں میں حضرت ابوطالبؑ کے فضائل اوران کے ایمان اوراحسانات پر روشنی ڈالتے ہوئے شاعر نے بڑے ہی احتجاجی انداز میں عالم اسلام سے یہ سوال کیا ہے:

کیوں مُخالف ہے مسلمان ابوطالبؑ کا
مانتا کیوں نہیں احسان ابوطالبؑ کا
گھر تھا اِسلام کا ایوان ابوطالبؑ کا
دردِ اِسلام کا درمان ابوطالبؑ کا

بدلہ احسان کا کیا یوں ہی دیا جاتا ہے
محسنِ دین کو کافر ہی کہا جاتا ہے

باقر زیدی کا نواں مرثیہ بعنوان ''علی اور اسلام'' جو پچھتر۷۵ بندوں پر مشتمل ہے حضرت عباسؑ کے مصائب کے ذیل کا ہے اس کا مطلع ہے ''حرفِ سخن متاعِ ہنر کر رہا ہوں میں'' جس میں مصائب کے سترہ۱۷ بند شامل ہیں۔ یہ مرثیہ ۱۹۹۹ء کو پہلی بار

مری لینڈ میں پڑھا گیا۔اس مرثیہ میں باقرؔ زیدی نے سلیس زبان میں حضرت علیؑ اور اسلام کے باہمی رشتے کو کئی زاویوں سے دیکھا اور یہ ثابت کیا ہے کہ:

اِسلام کا وقار سلامت علیؑ سے ہے
دینِ خدا کا یہ قد و قامت علیؑ سے ہے
سب نقدِ اعتبار ، عبارت علیؑ سے ہے
حیرت ہے پھر بھی تم کو عداوت علیؑ سے ہے
یہ تجربہ بھی آج ذرا کرکے دیکھ لو
اِسلام کو علیؑ سے جُدا کرکے دیکھ لو

مرثیہ میں روزمرہ محاورات اور سلیس شستہ الفاظ نے مصرعوں کو دلکش اور دل پذیر بنا دیا ہے۔باقرؔ زیدی صرف حسب ضرورت ہی عربی اور فارسی کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ ان کی زبان اغلب سلیس اور عام بول چال کے الفاظ پر مبنی ہوتی ہے تا کہ عام قارئین کی علمی اور ادبی سطح کے مطابق رہے اور مرثیہ کے مصرعے ان کے لیے معمانہ بن جائیں لیکن اس عمل میں وہ اپنے ہدف اور مقصد کو قربان نہیں کرتے بلکہ حتی الامکان زبان دانی کا رعب دکھانے سے پرہیز کرتے ہیں تا کہ مقصد بھی یعنی عزاداری شبیرؑ جو اول طفولیت سے رگوں میں رچی ہوئی ہے اس کا اہتمام ہو سکے۔باقرؔ زیدی نے اس مرثیہ میں اپنے آباواجداد اور بھرت پور کی عزاداری کی تصویر کشی بھی کی ہے ہم صرف چند اشعار پر اس مضمون کو نامکمل طور پر رکھ کے آخری مرثیہ بعنوانِ ''دعا'' پر ختم کرتے ہیں:

؎ احسان ہے خدا کا کہ پیدا کیا وہاں
ہر آن ذکر آلِ محمدؐ کا تھا جہاں

ـ نامِ حسینؑ لیتے تھے کس اہتمام سے
مشہور تھی حویلی اسی ایک کام سے

ـ اَسلاف رہروانِ رہِ مستقیم تھے
رہتا خموش کیوں مرے دادا کلیم تھے

ـ دادا کی طرح باپ بھی ذاکر فلک مقام
کہتے تھے مرثیے بھی جو ہر سال لا کلام

ـ اولاد پر بھی سایۂ شاہِ نجف رہے
میرے خلف میں بھی یونہی باقی شرف رہے

ہماری دعا ہے کہ انشااللہ یہ شَرَف باقر زیدی کی اولاد میں باقی رہے تاکہ کوئی یہ ادعا کر سکے کہ آٹھویں پشت ہے شبیر کی مداحی میں

''دعا'' کا لفظ اگرچہ عربی لفظ ہے لیکن اردو اور فارسی میں کسی ترجمے اور تفسیر کا محتاج نہیں۔ اسلام نے مسلمانوں کو دنیا اور عقبیٰ کے لیے دعا کرنے کی تاکید کی ہے۔ انسان عموماً ان خواہشات کے لیے دعا کرتا ہے جس میں اس کو امداد غیبی کی ضرورت ہوتی ہے۔ تقریباً تمام بڑے شاعروں نے ''دعا'' کے ذیل میں اشعار نظم کیے اور اس موضوع کو عجیب وغریب طریقہ سے برتا۔ باقر زیدی کا دسواں مرثیہ بعنوانِ ''دعا'' اُس وقت صفحۂ ہستی پر نمودار ہوا جب وہ شدتِ مسائل سے دوچار تھے اگرچہ یہ مرثیہ جو ۹۱ بندوں پر مشتمل ہے ۲۰۰۲ء کے اوائل میں لکھا گیا لیکن اس کے لیے ان کا ذہن ایک دوسال قبل ہی سے اس طرف رجوع ہو چکا تھا۔ چرخِ کج رفتار نے ایک طرف چھوٹا، ہونہار، مطیع، صاحبِ ذوق اور شاعر بھائی کو چھین لیا تو دوسری طرف جوان داماد

ناگہانی حادثہ کے شکار سے زندگی اور موت کے درمیان مہینوں بے ہوش پڑا رہا۔ انسان آخر انسان ہے آخر کہاں تک مشکلات کا مقابلہ کرے لیکن باقر زیدی اس خاندان کے سپوت ہیں جنھوں نے سب کچھ ہاتھ سے دے دیا لیکن متاعِ عشقِ آلِ محمدؐ کو کبھی دامن میں کم ہونے نہ دیا چنانچہ یا علیؑ کہہ کر قلم سنبھالا اور مطلع ہی کے بند میں حوادث دنیا کو بے رنگ کر کے دل کی روشنائی میں خامہ کو بھگو کر کلکِ رفتار سے ذہن کو یوں مہمیز کیا:

ے حصارِ مرضیٔ معبود میں رہو باقر
گزر رہی ہے جو تم پر وہ سب سہو باقر
ع = نہیں ہے وقت اٹھو مرثیہ کہو باقر
ے برس کے بعد تم اک مرثیہ جو کہتے ہو
تو سارا سال اسی کی اماں میں رہتے ہو

جس کا اثر یہ ہوا کہ ہر طرف دعا کے پھول کھلنے لگے اور خزاں رسیدہ چمن میں بہاریں امنڈ امنڈ کر آنے لگیں۔ اس مرثیہ میں لفظ ''دعا'' ۲۸۰ سے زیادہ استعمال ہوا ہے۔ دعا کی تعریف، تفسیر، تحلیل، تجلیل، بڑی تفصیل سے بیان کی گئی ہے۔ شاعر کا کمال یہ ہے کہ ادق اور غیر مانوس الفاظ کو مصرعوں میں ایسا دوسرے الفاظ کے ساتھ جمایا ہے کہ وہ نرم سلیس اور مانوس ہو جاتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ بعض مصرعوں میں عمدہ طریقہ سے عربی کے فقرے اس سے پیوست کیے گئے ہیں کہ وہ دوسرے الفاظ کے رگ و ریشہ میں گتھ گئے ہیں۔

ے دعا ہے ورد و وظائف دعا عمل اذکار

دعا زیارت و تسبیح و توبہ استغفار

ے دعا مراد دعا التجا دعا انعام

دعا علاجِ مصائب بحالتِ آلام

ے بنی وسیلۂ حاجت غدیرِ خم کی نوید

دعا کرو کہ ملی استجب لکُم کی نوید

اردو شاعری میں دعا کے موضوع پر نئے نئے مضامین نظر آتے ہیں۔ غزلوں اور نظموں کی صفوں میں ہمیں پرانے گھسے پٹے مضامین نئے لباس میں نظر تو آتے ہیں لیکن وہ اس لیے ہمیں مرعوب نہیں کر سکتے کہ متقدمین اور متوسطین نے انھیں وہ خدوخال عطا کیے ہیں کہ اس سے بہتر ہونا مشکل ہی نظر آتا ہے۔ اس کے برخلاف باقر زیدی کے اس صحیفۂ دعا میں آمدی اشعار کی بھیڑ ہے شاید اسے کوئی عقیدتی رجحان کہے لیکن بقولِ شبلی شعر کو شاعر کے عقیدے سے جدا کر کے شعریت پر غور کرنا غلطی ہے بلکہ اس کے عقیدے کی روشنی میں شعر کی صداقت کو تلاش کرنا ضروری ہے۔ اس کلیہ کے تحت زیادہ تر اشعار آبدار معانی خیز اور پرکار ہیں جو سامع اور قاری کو تسکین عطا کرتے ہیں بالفاظِ دیگر منزل دعا ان کے لیے مقبول ثابت ہوتی ہے۔ ذیل کے چند اشعار مشتے از خروارے ہمارے اس ادعا کا ثبوت ہیں:

ے یہ مجلسوں میں جو لب پر صدا درود کی ہے

ادائے فرضِ مودّت دعا درود کی ہے

ے رسولؐ نے پڑھی خیبر میں مستند ہے دعا

بہ فیض نادِ علیؑ یا علیؑ مدد ہے دعا

ـ امامِ عصر سے پاؤ ثمر دعاؤں کے
عریضہ بھیج کے دیکھو اثر دعاؤں کے

ع = سلام بھی ہے جوابِ سلام بھی ہے دعا

ع = دعا کا قرض دعاؤں سے ہی ادا ہوگا

ع = دعا نہ ہوتی تو انساں کا جینا دوبھر تھا

فلسفۂ دعا پر اس سے بہتر اشعار کیا ہو سکتے ہیں:

ـ شعارِ فرد ہے دستورِ انجمن ہے دعا
ہجومِ یاس میں امید کی کرن ہے دعا

ـ دعا کا حسن ہے ذکر خدا کے بعد دعا
دعا سے قبل دعا اور دعا کے بعد دعا

اس مرثیہ کا کمال یہ بھی ہے کہ اس میں امام سجادؑ کے مجموعۂ ادعیہ "صحیفۂ سجادیہ" کا بھی اجمالی تذکرہ ہے اور پھر اسی امامؑ سے منسوب روایات پر بین کے بند رقم کیے گئے ہیں جو مالِ مجلس کے لیے کافی ہیں۔

اور یقیناً ان دس مرثیوں کے مطالعہ نے ہم پر یہ ثابت کر دیا ہے کہ:

اس سے بہتر نہ قلم کا کوئی مصرف ہوگا

اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ

بندۂ شاہِ نجف
تقی عابدی

پہلا مَرثیہ عنوان **مَرثیہ**

مطلع : سَر بَسر اپنے بُزرگوں کا چلَن رکھتا ہوں

بند: ٦٩

تصنیف ١٩٨٩

ہر آن ہر اک گاہ نظر آتا ہے
ہر راہ پہ ہم‌راہ نظر آتا ہے
واللہ کہ جس شے پہ ٹھہرتی ہے نگاہ
اللہؑ ہی اللہؑ نظر آتا ہے

۱

☆سربسر اپنے بزرگوں کا چلن رکھتا ہوں
مدحتِ آلِ پیمبر کی لگن رکھتا ہوں
اک مہکتا ہوا شاداب چمن رکھتا ہوں
پھول برساتا ہے ہر دم، وہ دہن رکھتا ہوں
اِک نئی لعل و جواہر کی دکاں کھلتی ہے
اِک زباں بند ہوئی، ایک زباں کھلتی ہے

۲

مرثیہ کہنے کی احباب نے ترغیب جو دی
چمنستانِ مودّت میں کھلی اور کلی
ذکرِ شبیرؑ کی حاصل مجھے توفیق ہوئی
مرثیہ گویوں کی آواز سے آواز ملی
آج کس راہِ سعادت کا نشاں پایا ہے
نطق نے حُسنِ حسینانِ جہاں پایا ہے

۳

واہ کیا حُسن ہے، اس حُسن پہ یوسفؑ بھی نثار
ہر طرف عالمِ اِمکاں میں پلٹ آئی بہار
لکھے کیا خوب یہ اَشعارِ بلاغت آثار
بڑھ گیا خود مری نظروں میں مرا اپنا وقار
خوش نوائی سے ہوا شہرِ سُخن میں داخل
جیسے بلبل ہو کوئی صحنِ چمن میں داخل

☆والدِ بزرگ وار حضرت فیضؔ بھرت پوری کے انتقال کے بعد میں نے یہ پہلا مرثیہ کہا۔

۴

دل ثناخوانِ شہنشاہِ زمن ہے میرا
مرثیہ جس سے ہے مانوس، دہن ہے میرا
رشک ہے اہلِ زباں کو، وہ سخن ہے میرا
جو نہیں زد پہ خزاں کی، وہ چمن ہے میرا
نیّت اچھی ہو تو نیّت کے اثر بھی اچھے
سحر اچھی ہو تو آثارِ سحر بھی اچھے

۵

سب کو مرغوب ہے، وہ طرزِ سُخَن رکھتا ہوں
اپنے افکار کو بے بِرّ و عَلَن رکھتا ہوں
دل میں مہرِ غمِ سرور کی کِرَن رکھتا ہوں
قلبِ روشن میں تمنائے حَسَن رکھتا ہوں
سر میں سودا ہے کہ ہوں مرثیہ خوانِ شبیرؑ
لوگ مجھ کو بھی کہیں مرتبہ دانِ شبیرؑ

۶

لب پہ لاتا ہوں سخن، جوہرِ انساں مددے
پہلی کوشش ہے مِری، وسعتِ امکاں مددے
کلِ ایماں مددے، شاہِ شہیداں مددے
فکر تشنہ ہے ابھی، صاحبِ دوراں مددے
میرے افکار کو آفاق کی پہنائی دے
میں بھی دیوانہ ہوں؛ بہلول کی دانائی دے

۷

مرثیہ کہتا ہوں ، تاثیر عطا کر یا رب
ذہن تابندہ ہو ، تنویر عطا کر یا رب
ایک بے نام کو توقیر عطا کر یا رب
میرے الفاظ کو تصویر عطا کر یا رب
خشک کھیتی کو ملے آبِ سحابِ رحمت
چمنِ فکر میں کھِل جائے گلابِ رحمت

۸

مرثیہ سبطِ پیمبر کا رقم کرتا ہوں
ذہن کو مائلِ رودادِ الم کرتا ہوں
دشتِ افکار کو فردوس حشم کرتا ہوں
پئے مدحت ، پَرِ جبریل قلم کرتا ہوں
اس سے بہتر نہ قلم کا کوئی مصرف ہوگا
خامہ فرفر جو چلے گا یہی رفرف ہوگا

۹

اے مِری فکرِ رسا ، وسعتِ افلاک دکھا
عقل حیران ہو وہ تیزیِ ادراک دکھا
پیکرِ حرف کو پہنے نئی پوشاک دکھا
چشمِ حیرت نے نہ دیکھی ہوں وہ املاک دکھا
خواب بخشے ہیں تو پھر خوابوں کو تعبیر بھی دے
سربسر حسنِ سماعت ہو ، وہ تقریر بھی دے

۱۰

مدحِ ممدوحِ خدا ، فکر جو کرتی ہے بہم
ہیچ ہے دولتِ قارون و فرِ شوکتِ جم
ہاں یہی سوچ کے میں نے بھی اٹھایا ہے قلم
مجھ کو لے جائے گا منزل پہ مرا پہلا قدم
نیّتِ نیک سے باندھا ہے جو احرام سخن
اسی آغازِ سخن سے ہے سر انجامِ سخن

۱۱

نکتہ ہر حرف میں ہے ، نقطے ہیں روشن سارے
ہوں شبِ تار میں چھٹکے ہوئے جیسے تارے
رفعتِ فکر کو پہنچیں گے کہاں سیّارے
بیتیں ایسی کہ لگیں نور کے بہتے دھارے
روشنی قلب میں ہے کاہکشاں کی صورت
سوزِ آواز میں ہے مرثیہ خواں کی صورت

۱۲ مطلعِ ثانی

کب جہاں میں ہوا آغازِ سخن کیا معلوم
کب کھِلے شعر کے دنیا میں چمن کیا معلوم
پہلا شاعر تھا کہاں ، کیا تھا وطن کیا معلوم
شاعری کب سے ہے ، باضابطہ فن کیا معلوم
کہاں سلجھائے گئے گیسوئے لیلائے سخن
کب برآمد ہوئی حُجرے سے زلیخائے سخن

۱۳

پہلے شاعر کے لیے بحث ہے ساری بے سود
اشعرِ ابنِ سَبا تھا کہ کوئی اور وجود
یہ سخن حضرتِ صائبؔ☆ کا مگر ہے موجود
شعر گوئی کی ہوئی حضرتِ آدمؑ سے نمود
نصرتِ حق سے جو مانوس مزاج اس کا ہے
مرگِ ہابیل سے دنیا میں رواج اس کا ہے

۱۴

ابنِ عبّاس کا اس باب میں فرمان ہے یہ
انبیا شاعری کرتے نہیں ، بہتان ہے یہ
یہ اگر سچ ہے تو پھر ایک ہی امکان ہے یہ
مرثیہ نثر میں لکھا گیا ، ایقان ہے یہ
نثری نظموں کو فراز اچھا یہ ہاتھ آیا ہے
اک پیمبر سے جواز اچھا یہ ہاتھ آیا ہے

۱۵

قتلِ ہابیل پہ جو مرثیہ آدمؑ نے کہا
شیثؑ کو یاد کرایا کہ ہو محفوظ سدا
پہنچا یعرب کو تو اس نے عربی میں ڈھالا
ترجمہ پہلا یہ سُریانی سے منظوم ہوا
پہلے مظلوم کے اوصاف کی تفسیر میں ہے
مرثیہ ظلم کے آغاز سے تحریر میں ہے

☆ ہر کہ اول شعر گفت آدمؑ صفی اللہ بود
طبعِ موزوں حجّتِ فرزندیٔ آدمؑ بود صائبؔ

۱۶

رَوشِ شعر و سخن عہدِ فلاطوں میں تھی عام
عشقیہ شعروں کا ہر سمت تھا پھیلا ہوا دام
داد بھی دیتے تھے محظوظ بھی ہوتے تھے عوام
لیکن اصلاحِ بشر کا نہ تھا کوئی پیغام
مُبتذل فکر جو گُم راہی پہ آمادہ تھی
محفلِ شعر و سخن عیش کی دِل دادہ تھی

۱۷

شاعروں کی جو طبیعت میں تھا اَسفَل میلان
نظر آتا نہ تھا اصلاح کا کوئی امکان
پست جذبوں کے ابھرنے کا تھا سارا سامان
شاعری ذہنِ بشر کے لیے کب تھی ذی شان
پس فلاطون کی حکمت نے کیا رَد اس کو
اور ٹھہرا دیا انساں کے لیے بَد اس کو

۱۸

اس کے افکار سے شاعر جو ہوئے بہرہ مَند
شاعری کو کیا مانوسِ خیالاتِ بُلَند
بڑھ کے پھینکی مہ و اختر پہ تخیّل کی کَمَند
رزمیہ لکھ کے کیا اہلِ خرد نے خُورسَند
ایلیڈ اور اوڈیسی سے جو آغاز ہوا
اہلِ یونان سے ہوتر اثر انداز ہوا

۱۹

تیس چالیس صدی قبل تھا عیسیٰؑ سے یہ عام
اینیڈ لکھی جو ورجل نے بڑھا روم کا نام
اہل یورپ نے بھی اس صنف کو بخشا وہ مقام
رزمیہ نظم ہوئی جلد ہی مقبولِ عوام
ہند کی بھاشا بھی کچھ کم تو نہ خوش قامت تھی
رزمیہ نظم کی تصویر مہابھارت تھی

۲۰

جان ملٹن نے بھی اک جنّتِ گم گشتہ[۱] لکھی
خوب شہرت ہوئی شہ نامۂ فردوسی کی
ڈانٹے نے بھی دیا روم کو اک نقشِ جلی
طربیہ تھا خداوندی[۲] تو عزت بھی ملی
جو مقدّر بنی اس عہد کے فن کاروں کی
عظمت آج بھی دنیا میں ہے شہ پاروں کی

۲۱

حُزنیہ ، رزمیہ دونوں کو ملا حُسنِ قبول
آج تک باغِ سخن میں ہیں مہکتے ہوئے پھول
صرف موسیقی اور اسٹیج کا فرقِ معمول
ورنہ دنیا میں ہے دونوں ہی کی شہرت معقول
مرثیہ دونوں کے اوصاف کا گنجینہ ہے
عالمی نظموں کے معیار کا آئینہ ہے

Divine Commedy_۲ Paradise Lost_۱

۲۲

اور ارسطو کہ جدا رکھتا ہے جو اپنا مقام
جس کی تمثیلیں زمانہ پہ ہیں اک نقشِ دوام
حُزنیہ کا وہ شہنشاہ کہ ہے آج بھی نام
رزمیہ اس کی نظر میں بھی ہے اک ایسا کلام
جو اساطیری تمدّن کی محاکات لیے
مُصلحِ نوعِ بشر کی ہے روایات لیے

۲۳

پہلے تخلیق ہوئی فن کی ، ملا حُسنِ قبول
پھر جو فن کاروں کو پرکھا تو کیئے وضع اصول
عقل کی آنکھ سے دیکھا تو بنائے معقول
چار سو سال تھے عیسیٰؑ سے یہ پہلے منقول
فن کی فن کار کی تسکینِ تجلّا کے لیے
یہی معیار بنے نظمِ معلا کے لیے

۲۴

رزمیہ نظم جو اعلیٰ بھی ہو ، سنجیدہ بھی
فکر موزوں بھی ہو ، کردار پسندیدہ بھی
متنوع ہوں خیالات مگر چیدہ بھی
اور اُس عہد کے افکار ہوں بالیدہ بھی
حسنِ تکمیلِ عمل کی بھی ہو رفعت جس میں
ربطِ افکار کا ظاہر کرے وحدت جس میں

۲۵

حزنیہ ایک زمانے سے ہے نظمِ تمثیل
اس میں افکار کی ہوتی ہے عمل سے تشکیل
داستاں سیرتِ کردار کی موزوں تفصیل
وحدتِ فکر و عمل حسنِ مقاصد کی سبیل
فصلِ افکار ارسطو بھی یہیں بوتا ہے
یہیں استادِ سخن شیکسپیئر ہوتا ہے

۲۶

وہی ایپک☆ ، وہی جمہور کی نظمِ اعلا
فارسی میں وہ نظامی کا سکندر نامہ
شاہ نامہ بھی کہ شہ کار ہے فردوسی کا
پاس اردو کے ہے کیا ، یہ کوئی بتلائے ذرا
مرثیے سے بھی اگر صرفِ نظر ہو جائے
شبِ تاریک میں اندھے کا سفر ہو جائے

۲۷

ہیں عقیدے کے چراغوں سے منوّر در و بام
ہو عقیدہ میں اگر زور ، تو بن جاتا ہے کام
ہومر و ورجل و ملٹن کا بھی شاہد ہے کلام
ان گنت نسلوں کے انساں انھیں کرتے ہیں سلام
والمیک ، ڈانٹے ، فردوسی و تلسی جیسے
ان کی تخلیق عقیدوں کی ہو نسبتی جیسے

☆ Epic

۲۸

روم و یونان اساطیری تمدّن کے نقیب
سر بسر لکھتے رہے اپنی حکایاتِ عجیب
اہلِ یورپ میں رہی حد سے سوا فکرِ صلیب
فلسفے اور عقیدے کے مسیحی تھے ادیب
مرثیہ بھی یونہی اسلام کے آثار لیے
اپنے دامن میں ہے شبیرؑ کا کردار لیے

۲۹

جلوہ گر حسنِ عقیدت کی زباں ہے اس میں
ربط موضوع کا مصرعوں سے عیاں ہے اس میں
ایک دریائے معانی جو رواں ہے اس میں
صرف مذہب ہی نہیں، فکرِ جہاں ہے اس میں
ناقدوں اور ادیبوں کو تعجّب کیوں ہے
اس قدر صرفِ نظر، اتنا تعصّب کیوں ہے

۳۰

روکشِ شمس و قمر ہے تو تعجّب کیوں ہے
راحتِ رختِ سفر ہے تو تعجّب کیوں ہے
نخلِ ایماں کا ثمر ہے تو تعجّب کیوں ہے
مسلکِ اہلِ ہنر ہے تو تعجّب کیوں ہے
کشتیِٔ ظلم کو اُس پار اترنے نہ دیا
مرنے والوں کو بھی اس نے کبھی مرنے نہ دیا

۳۱

مرثیہ مقصدِ اعلیٰ کا امیں ہے کہ نہیں
نظمِ سنجیدہ میں اک حسنِ متیں ہے کہ نہیں
اس کے موضوع میں خاتم کا نگیں ہے کہ نہیں
اس کا اسلوب بھی اعلیٰ و حسیں ہے کہ نہیں
لذّتِ ذکر بھی ہے ، زورِ مناقب بھی ہے
وحدتِ فکر بھی ہے ، بحرِ مناسب بھی ہے

۳۲

مذہبی نظم اگر ہے ، تو تعجّب کیا ہے
لایقِ فکر و نظر ہے ، تو تعجّب کیا ہے
یہ اگر رنگِ دگر ہے ، تو تعجّب کیا ہے
اس سے امکانِ سحر ہے ، تو تعجّب کیا ہے
اپنے مذکور سے توفیق یہ پائی اس نے
ظلم کی توڑ دی پنجہ سے کلائی اس نے

۳۳

وہ گُلِ تر ہے کہ بو اس کی جدا ، رنگ جدا
محورِ فکر جدا ، بزم جدا ، جنگ جدا
ساری اصنافِ سخن سے ہے یہ آہنگ جدا
مرثیہ کرتا ہے جنسِ گہر و سنگ جدا
خیر اور شر کے مشاغل کی حدِ فاصل ہے
مرثیہ ناشرِ تفریقِ حق و باطل ہے

۳۴

لفظ مربوط ہیں تسبیح کے دانوں کی طرح
متنِ تاریخ ہے ، منظوم فسانوں کی طرح
نظم اس نظم میں ہے آئینہ خانوں کی طرح
دعوتِ خیر عمل بھی ہے اذانوں کی طرح
حسنِ اقدار بھی ہے ، عظمتِ افکار بھی ہے
مرثیہ سارے مسائل سے خبردار بھی ہے

۳۵

شاہدِ نصرتِ مظلوم ہے سب زورِ کلام
حق و انصاف کی کرتا ہے حمایت بھی مدام
اعلیٰ اقدار کی تقلید کا دیتا ہے پیام
یہی ہر عہدِ سخن میں ہے زمانے کا امام
حق کو باطل سے جو ہر گام جدا کرتا ہے
یہ بھی اک نامِ خدا ، کارِ خدا کرتا ہے

۳۶

مرثیہ کو ملے ممدوح وہ عالی درجات
ذکر نے جن کے زمانہ کو دیا آبِ حیات
جن کا ہر قول و عمل ، راہ برِ راہِ نجات
جیسے قرآن میں سجدہ کی ہیں محکم آیات
مدح خالق بھی کرے جن کی ، وہ انسان ہیں یہ
آیتیں چپ ہیں کہ خود بولتے قرآن ہیں یہ

۳۷

صاحبِ ختمِ رسل ، مصدرِ آثارِ درود
ساقیِ روزِ جزا ، مطلعِ انوارِ درود
فاطمہؑ صلِ علیٰ ، حاصلِ اسرارِ درود
دونوں سردارِ جناں ، حاصلِ پندارِ درود
انبیاء ہی نہیں کچھ فکر میں شامل ان کے
ذاتِ واجب بھی ہے موضوع میں داخل ان کے

۳۸

رفعتیں جس سے ہیں مانوس ، وہ نام ان کا ہے
نام سے جو متجلی ہے ، مقام ان کا ہے
جس میں حق ہو متکلم ، وہ کلام ان کا ہے
سب کو مشکل سے چھڑاتے ہیں یہ کام ان کا ہے
بند گر بابِ دعا بھی ہو تو وا ہو جائے
خوف تو نام کو لیتے ہی ہوا ہو جائے

۳۹

نامِ نامی ہے علیؑ ، کام ہے نصرت دیں کی
ان کے گھر میں روشِ عام ہے نصرت دیں کی
حشر تک بس سحر و شام ہے نصرت دیں کی
کام کیسا کہ علیؑ نام ہے نصرت دیں کی
نام ہی فتح کی صورت ہے ، یہ غازی ایسا
سلطنت بخشے سلیماں کی ، نمازی ایسا

۴۰

قاتلِ مرحب و عنتر ہے ، وہ صفدر ہے یہی
فاتحِ خندق و خیبر ہے ، وہ صفدر ہے یہی
تنِ تنہا بھی جو لشکر ہے ، وہ صفدر ہے یہی
نام جس شیر کا حیدر ہے ، وہ صفدر ہے یہی
نیند آتی نہیں اس کو کبھی گُل زاروں میں
بے خطر چین سے سو جاتا ہے تلواروں میں

۴۱

کفر کو جس نے مٹایا ، وہ بہادر ہے یہی
دین کو جس نے بچایا ، وہ بہادر ہے یہی
کام اسلام کے آیا ، وہ بہادر ہے یہی
اپنے خوں میں جو نہایا ؛ وہ بہادر ہے یہی
چیر دے کلۂ اژدر کو ، یہ شیر ایسا ہے
اپنے قاتل کو جگاتا ہے ، دلیر ایسا ہے

۴۲

مرثیہ گوئی کی تاریخ میں آئے ہیں وہ نام
جن کی نسبت سے ہوئی ہے یہ زمیں عرش مقام
نسل در نسل بڑھا ہے یہ محبت کا پیام
ہے زمانے کو میسّر ابوطالبؑ کا کلام
حسبِ دستور اسے جدِ نبیؐ نے بھی کہا
مرثیہ فاطمہ زہراؑ کا علیؑ نے بھی کہا

۴۳

ان کے گھر میں جو رہا مرثیہ مثلِ اسلام
حشر تک مٹ نہیں سکتا ہے وہ پایا ہے مقام
فاطمہؑ بنتِ محمدؐ کہ تھیں وقفِ آلام
مرثیہ کہہ کے دیا مرثیہ گوئی کو دوام
غم میں بابا کے جو بیٹی نے رکھا دل اس میں
سیرتِ فاطمہؑ زہرا ہوئی شامل اس میں

۴۴

نطقِ معصوم جو پایا تو سرافراز ہوا
ساری اصنافِ سخن پر اثر انداز ہوا
سخنِ حق کی طرح صاحبِ اعزاز ہوا
حق شناسا تھا تو مظلوم کا دم‌ساز ہوا
ظلم کے سامنے یہ سینہ سپر آج بھی ہے
مرثیہ مظہرِ تہذیبِ بشر آج بھی ہے

۴۵

لفظ تابندہ ہیں خاتم میں نگینوں کی طرح
موجِ اندازِ بیاں بہتے سفینوں کی طرح
آب چہرہ میں ہے، سودا کی زمینوں کی طرح
جلوہ افروزِ ادب صدر نشینوں کی طرح
میرؔ کا سوزِ دروں، ذوقِ عمل کی صورت
بانک پن حضرتِ غالبؔ کی غزل کی صورت

۴۶

حمدِ معبود کرے نعتِ نبیؐ فرمائے
مثنوی نظمِ مسلسل کا سلیقہ پائے
وہ تغزّل کہ غزل اس کے ہی بس گن گائے
رہی واسوخت تو جل جائے، جو نزدیک آئے
ساری اصناف کے اوصاف کا جوہر یہ ہے
آبرو آبِ سخن کی ہے، وہ گوہر یہ ہے

۴۷

کی قصیدہ کو عطا مدح سرائی اس نے
ہجو کو دی ہے عجب تلخ نوائی اس نے
پائی ہر صنفِ سخن تک جو رسائی اس نے
خشک بحروں کو بھی بخشی ہے ترائی اس نے
اک زمانے سے مسلّم ہے بڑائی اس کی
ساری اصنافِ سخن پر ہے، خدائی اس کی

۴۸

برمحل بات مناسب لب و لہجہ کا قوام
خوش دہن، خوش سخن و خوش زمن و خوش انجام
نہ تنافر ہو نہ تعقید، نہ کوئی ابہام
مرثیہ حسنِ بیاں، حسنِ زباں، حسنِ کلام
حسن ہی حسن ہو الفاظ میں پنہاں جیسے
فکر کی چاہ میں ہو یوسفِ کنعاں جیسے

۴۹

مرثیہ اوج پہ آیا تو بڑھی شانِ ادب
جگمگانے لگا اس نظم سے ایوانِ ادب
اب سبک رہ نہ سکا پلۂ میزانِ ادب
غرقِ حیرت ہوئے سب سلسلہ جنبانِ ادب
بہتادریا ہے کہ شاعر کی زباں ہے گویا
مرثیہ ہے کہ اک آوازِ اذاں ہے گویا

۵۰

مرثیہ خاصۂ خاصانِ ادب ہے کہ نہیں
رونقِ مجلسِ پاکانِ ادب ہے کہ نہیں
مرثیہ مفتیٔ ایمانِ ادب ہے کہ نہیں
مرثیہ خالقِ قرآنِ ادب ہے کہ نہیں
خالقِ کل کے لیے حمد و ثنا کرتا ہے
فرض ہے ، حقِ مودّت تو ادا کرتا ہے

۵۱

مرثیہ شمعِ شبستانِ ادب ہے کہ نہیں
مرثیہ مشعلِ ایوانِ ادب ہے کہ نہیں
مرثیہ ماہِ درخشانِ ادب ہے کہ نہیں
مرثیہ نیرِ تابانِ ادب ہے کہ نہیں
مرثیہ سے ہوا ظاہر جو کمالِ اردو
چمن افروز ہوا نخلِ نہالِ اردو

۵۲

مرثیہ وسعتِ امکانِ ادب ہے کہ نہیں
مرثیہ واضعِ میزانِ ادب ہے کہ نہیں
مرثیہ اُنسِ انیسانِ ادب ہے کہ نہیں
مرثیہ شانِ ادب ، جانِ ادب ہے کہ نہیں
عالمی نظموں سے اونچا جو عَلَم رکھا ہے
اس نے اردو کا زمانہ میں بھَرَم رکھا ہے

۵۳

مرثیہ رشکِ دبستانِ ادب ہے کہ نہیں
مرثیہ حسنِ فراوانِ ادب ہے کہ نہیں
مرثیہ یوسفِ کنعانِ ادب ہے کہ نہیں
مرثیہ فکرِ حسینانِ ادب ہے کہ نہیں
لے گئی اوجِ ثریا پہ اسے فکرِ انیسؔ
مرثیہ کا ہے جہاں ذکر ، وہاں ذکرِ انیسؔ

۵۴

اب بھی اورنگِ سخن زیرِ نگیں ہے ، وہ انیسؔ
ہر سخن ور سے سخن جس کا حسیں ہے ، وہ انیسؔ
جس کا ثانی کوئی عالم میں نہیں ہے ، وہ انیسؔ
برسرِ فرش سخن ، عرش نشیں ہے ، وہ انیسؔ
وادیٔ شعر میں کیا راہ نمائی کی ہے
ایک اللہ کے بندے نے خدائی کی ہے

۵۵

وہ مفکر کہ جدا سب سے ہے جس کی تفکیر
وہ مدبر کہ تدبر سے بدل دے تقدیر
وہ مفسر کہ ہر اک لفظ ہے گویا تفسیر
وہ مصور کہ جو لفظوں میں دکھا دے تصویر
بزم آئینۂ فردوسِ بریں کی صورت
رزمِ غارت گریٔ دشمنِ دیں کی صورت

۵٦

وہ سخن ور کہ سخن جس کا ہے بے مثل وعدیل
نہ کوئی اس کی نظیر اور نہ کوئی اس کا مثیل
تھا گراں جس کی طبیعت پہ سدا حرفِ ثقیل
آبِ دریائے سخن علم کے پیاسوں کو سبیل
افقِ نظم کے روشن مہ و اختر دیکھو
اس کے لفظوں میں جو پوشیدہ ہیں، جوہر دیکھو

۵۷

لب کی تشبیہ سے دے پھول کی پتی کو زباں
استعارہ لکھے قامت کا تو ہو سرو رواں
حسنِ تعلیل سے ذروں پہ ہو تاروں کا گماں
جیسے محرابِ سخن میں کوئی دیتا ہو اذاں
آج تک تو نہ چمک مہر کے پرتو سے گئی
اور نہ "اقلیمِ سخن اس کے قلم رو" سے گئی

۵۸

شمع احساس کی اس طرح جلا دی اس نے
جیسے حائل تھی جو دیوار گرادی اس نے
صوت و آہنگ کی تصویر بنا دی اس نے
کربلا چشمِ سماعت سے دکھا دی اس نے
پردہ خیمے کا ابھی اس نے اٹھایا جیسے
صاف دنیا کو یہ منظر نظر آیا جیسے

۵۹

داخلِ خیمہ ہوئے رخصتِ آخر کو حسینؑ
بیبیاں اپنے شہیدوں کے لیے کرتی ہیں بین
کہا حضرت نے سکینہؑ سے مِری نور العین
باپ جاتا ہے، مری جان نہ ہونا بے چین
کوئی صورت نہیں مرنا ہے یقینی بی بی
سخت ہوتا ہے بہت داغِ یتیمی بی بی

۶۰

عالمِ ہستی سے ہونا ہے جو ہر اک کا گزر
کوچ کرتا ہے کوئی شب میں کوئی وقتِ سحر
جو بھی پیدا ہوا اک دن اسے کرنا ہے سفر
یہ سفر وہ ہے نہیں جس سے کسی کو بھی مفر
سب ہی مارے گئے دو ہم کو بھی رخصت بی بی
تم ہو اب اور ہے اس دشت کی دہشت بی بی

۶۱

دشتِ پُرہول میں دہشت کے سوا کیا ہوگا
رات آئے گی تو حشر اور بھی برپا ہوگا
خیمے جل جائیں گے ، ریتی پہ ٹھکانا ہوگا
سونا جنگل ہے ، قیامت کا اندھیرا ہوگا
ساتھ ماں بھی ہے، پھوپھی بھی ہیں، نہ گھبرانا تم
باپ کی لاش پہ مقتل میں چلی آنا تم

۶۲

غش میں عابد کو جو دیکھا تو کہا ہائے نصیب
نہ دوا ہے، نہ غذا ہے، کوئی چارہ ، نہ طبیب
سورۂ حمد پڑھا ، ہوش میں آیا وہ غریب
دے کے اَسرارِ امامت یہ کہا ہو کے قریب
اب کرو باپ کی فرقت بھی گوارا بیٹا
جز خدا کوئی نہیں اور سہارا بیٹا

۶۳

کہا بانو سے کہ ہم تم سے خجل ہیں صاحب
جو بھی ہونا تھا ، ہوا ، تھی یہی کچھ مرضیِٔ رب
پھول سے بچے کا خوں بات ہے تقدیر کی سب
باپ نے بیٹے کو خود دفن کیا ہائے غضب
جو بھی گزرے گا رہِ حق میں وہ سب سہنا ہے
ہم کو ہر حال میں راضی برضا رہنا ہے

۶۴

دیکھو لیلیٰؑ کو گنوا بیٹھی ہیں اکبرؑ سا پسر
میرا عبّاسؑ سا بھائی بھی ہوا خون میں تر
قاسمؑ و عونؑ و محمدؑ بھی کسی کے تھے جگر
کوکھ اور مانگ سے اجڑی ہیں یہ سب خاک بسر
لعل جو ہم نے گنوائے ہیں بتائیں کس کو
زخم جو سینہ پہ کھائے ہیں دکھائیں کس کو

۶۵

آئے پھر روتے ہوئے زینبِؑ ناشاد کے پاس
کہا جاتے ہیں وہاں ہم بھی جہاں ہیں عبّاسؑ
تم تو امّاں کی جگہ ہو، یہ ہمیں ہے احساس
سب گئے خلد میں اب کون رہا رتبہ شناس
پیاسے دنیا سے گئے لعل تمھارے زینبؑ
قاسمؑ و اکبرؑ و عبّاسؑ سدھارے زینبؑ

۶۶

سر جھکائے ہوئے بیٹھی تھی جو وہ دُکھیاری
منہ سے بولا نہ گیا، ہو گئے آنسو جاری
چشمِ نمناک میں تاریک تھی دنیا ساری
دل وہ تڑپا کہ گری خاک پہ غم کی ماری
دارِ ہستی سے سفر کر نہ گئی ہو زینبؑ
شدتِ غم سے کہیں مر نہ گئی ہو زینبؑ

۶۷

دیکھا یہ حال جو زینب کا تو گھبرائے حسینؑ
کس طرح ہوش میں ہمشیر کو اب لائے حسینؑ
ٹپکے بے ہوش پہ جو اشکِ تمنائے حسینؑ
کھول دیں آنکھیں، کہا اے مِرے ماں جائے حسینؑ
تم بھی جاتے ہو تو میں جی کے کروں کیا بھیّا
بس دعا مانگو کہ مَر جائے یہ دکھیا بھیّا

۶۸

اس طرح کوئی نہ دنیا میں بھرا گھر اجڑا
گودیں سب خالی تھیں سر پر کوئی سایا بھی نہ تھا
شہؑ کی رخصت کا سماں حشر کا منظر گویا
کس قدر یاس سے بھائی نے بہن سے یہ کہا
کام سب ہو گیا لو ختم ہمارا زینبؑ
اب خدا حافظ و ناصر ہے تمہارا زینبؑ

۶۹

بولیں زینبؑ کہ دیا کام یہ تم نے انجام
کربلا فتح ہوئی، رہ گیا اب شام کا کام
چیز ہی کیا ہے مِرے سامنے یہ حاکمِ شام
نام دشنام نہ کردوں تو نہیں زینب نام
سیلِ طوفان و حوادث سے گزر جاؤں گی
حشر تک نام رہے، کام وہ کر جاؤں گی

سلام

انہیں کے ہیں ، کسی چوکھٹ پہ سر نہیں رکھتے
جبیں ہے ایک تو دو سنگِ در نہیں رکھتے

ولائے آلِؑ محمدؐ نہیں ہے جن کو نصیب
وہ آنکھ رکھتے ہیں لیکن نظر نہیں رکھتے

درِ علومِ محمدؐ سے نسبتوں کی قسم
ہم ان کے ہیں جو ہمیں در بہ در نہیں رکھتے

وہیں رکھو اُسے جس کا خمیر جیسا ہو
اِدھر کی چیز اٹھا کر اُدھر نہیں رکھتے

ہمارے گھر کا تو مقصد ہی ہے عزائے حسینؑ
صفِ عزا نہ ہو جس میں وہ گھر نہیں رکھتے

جو اپنا جیسا ہی خیرالبشرؐ کو سمجھیں ہیں
بشر ہی رکھتے ہیں ، خیرالبشرؐ نہیں رکھتے

جو کٹ کے بھی نہیں جھکتے وہ سر ہمارے ہیں
فرازِ نیزہ سے نیچے تو سر نہیں رکھتے

دوسرا مرثیہ عنوان رَفتار

مطلع : رَفتہ رَفتہ مِری رَفتارِ سُخَن تیز ہوئی

بند: ۸۳

تصنیف:۱۹۹۱ء

وہ راہ رو جو کوئی راہ بر نہیں رکھتے
وہ بے خبر ہیں کہ اپنی خبر نہیں رکھتے
نہیں ہے مہرِ امامت کا انتظار جنہیں
وہ شب گزیدہ شعورِ سحر نہیں رکھتے

۱

رفتہ رفتہ مری رفتارِ سخن تیز ہوئی
دل سے نکلی ہوئی آواز دل آویز ہوئی
نوکِ خامہ فرسِ فکر کو مہمیز ہوئی
آج شاعر کی زباں پھر سے گہر ریز ہوئی

اے مرے ذہنِ رسا ، تیزیٔ افکار دکھا
برق رفتار زمانہ ہے ، تو رفتار دکھا

۲

پھر مِری فکرِ سخن میں وہ روانی آئے
کوہ سے جس طرح بہتا ہوا پانی آئے
شعر میں شوکتِ الفاظ و معانی آئے
بول اٹھیں حرف مِرے سِحر ، بیانی آئے

وصفِ رفتار میں شاعر کی زباں کھل جائے
آج پھر لعل و جواہر کی دُکاں کھل جائے

۳

حرف و احساس کو اک پیکرِ رعنائی دے
دامنِ شعر کو آفاق کی پہنائی دے
جس میں اعجازِ طلاقت ہو ، وہ گویائی دے
وہی مے آج میں جس کا ہوں ، تمنائی دے

تیرے مے خانے کا مے کش ہوں پرانا ساقی
میرے حصہ سے سوا مجھ کو پلانا ساقی

۴

رندِ مے خانۂ مدحت کو پلا دے وہ شراب
غمِ دوراں سے جو آزاد کرا دے ، وہ شراب
آتشِ شوق کو جو اور ہوا دے ، وہ شراب
بختِ خوابیدۂ حُر کو جو جگا دے وہ شراب
دُرِ مضموں سے مِرے دُرجِ دہاں کو بھر دے
سیلِ اِفکار کی رفتار کو دونا کردے

۵

طبعِ موزوں کو ملیں پھر نئے افکارِ سخن
قابلِ دید ہو پھر رونقِ بازارِ سخن
گہر افروز ہو پھر بلبلِ گل‌زارِ سخن
لوگ دیکھیں تو ذرا تیزئ رفتارِ سخن
طائرِ فکر کو صَرصَر کی روانی دے دے
تشنۂ آبِ سخن ہوں ، مجھے پانی دے دے

۶

لَبِ خاموش کو اعجاز بیانی دے دے
آبِ استادہ کو موجوں کی روانی دے دے
اپنے اک ہیچ مداں کو ہمہ دانی دے دے
اس زلیخائے سخن کو بھی جوانی دے دے
جن کا مدّاح ہوں ، ان سے بھی مجھے داد ملے
دستِ معصوم سے لکھا ہوا اک صاد ملے

۷

رنگ اِس طرح سے لائے جو محبّت میری
خود مِری اپنی نگاہوں میں ہو وقعت میری
ہو خوشی یہ کہ ٹھکانے لگی محنت میری
خوش نصیبی بھی کرے رشک تو قسمت میری
مرثیہ میری ریاضت کا صِلہ ہوجائے
فرض بھی اجرِ رسالت کا ادا ہوجائے

۸

حال ظاہر ہے عیاں را چہ بیاں ، ادرکنی
کھل رہی ہے ترے شاعر کی زباں ، ادرکنی
وقتِ امداد ہے مولائے جہاں ادرکنی
دے رہا ہوں درِ مدحت پہ اذاں ادرکنی
کچھ کرم خاص ترا آج جو مجھ پر ہوجائے
بند الفاظ کے کوزوں میں سمندر ہوجائے

۹

خُسروِ دائرۂ کون و مکاں ، ادرکنی
ناخدائے سخن و ہم سخناں ، ادرکنی
مُصحفِ نہجِ بلاغت کی زباں ادرکنی
تو درِ علم ، میں بے نام و نشاں ادرکنی
تیری سرکار سے شاعر کو یہ اعزاز ملے
تھی جو دعبل کی زباں پر ، وہی آواز ملے

۱۰

پھر مِری طبعِ رَواں فکر کی دلدادہ ہے
مِدحَتِ حضرتِ شبیرؑ مِرا جادہ ہے
مرثیہ کہنے پہ گو دِل مِرا آمادہ ہے
آگیا ماہِ عزا اور ورق سادہ ہے
لبِ خاموش کو اب قوّتِ اظہار ملے
جو ضرورت ہے قلم کی، وہی رفتار ملے

۱۱

اشہبِ کلکِ سخن، نور کی رفتار سے چل
دور جانا ہے بہت، دور کی رفتار سے چل
حسنِ رفتار دکھا، حور کی رفتار سے چل
برق بن، جلوہ گرِ طور کی رفتار سے چل
نور سے تیز جو رفتار مِری فکر کی ہو
لامکاں، منزلِ معراج مِرے ذکر کی ہو

۱۲

نُطق کو قوتِ اِظہار عطا کر، یارب
مستیٔ بادۂ پندار عطا کر، یارب
ذہن کو صحتِ افکار عطا کر، یارب
فکر کو سُرعتِ رفتار عطا کر، یارب
لفظ مربوط ہوں، جڑنے لگیں بیتیں میری
تیزی ایسی ہو کہ اڑنے لگیں بیتیں میری

۱۳

رَوِشِ تیزیٔ افکار دکھاتا جاؤں
شام کو صبح کے آثار دکھاتا جاؤں
آج پھر گرمیٔ بازار دکھاتا جاؤں
چلتے چلتے ذرا رفتار دکھاتا جاؤں
قندِ شیریں کا مزہ لذّتِ گفتار میں ہو
تیزیٔ تیغِ علیؑ ، فکر کی رفتار میں ہو

۱۴

تیز رفتار تھی کس درجہ جری کی تلوار
ایک ہی ضرب میں دو کر کے جو پلٹی ہوئے چار
سب سے ملتی تھی گلے ، ہو کوئی پیدل کہ سوار
ڈھیر لاشوں کے نظر آتے تھے بے حدّ و شمار
خوں برستا تھا تو تلوار پہ رنگ آتا تھا
مَلَک الموت بھی رفتار سے تنگ آتا تھا

۱۵

فَرَس ایسا تھا کہ ادراکِ بشر رکھتا تھا
اپنے راکب کے اشاروں پہ نظر رکھتا تھا
پیدلوں اور سواروں کی خبر رکھتا تھا
نام سے صاف یہ ظاہر ہے کہ پر رکھتا تھا
حسنِ آواز میں تھا کبکِ دری کی صورت
ذوالجناحی تھی کہ اڑتا تھا پری کی صورت

مَطلَعِ ثانی

۱۶

وقت کی ایک اِکائی کا سفر ہے رفتار
دانشِ عصر کا اعجاز ہُنر ہے رفتار
نبضِ ہستیٔ جہاں شام و سحر ہے رفتار
سب کو پہنچاتی ہے منزل پہ خِضَر ہے رفتار
ایسا ہم‌راہ زمانے میں کہاں ملتا ہے
اِسی رفتار سے منزل کا نشاں ملتا ہے

۱۷

وصفِ رفتار میں شاعر کی زباں چلتی ہے
اِسی رفتار سے عُمرِ گذراں چلتی ہے
کوئی ساکت نہیں، جو شے ہے یہاں چلتی ہے
ہو نہ رفتار تو گاڑی ہی کہاں چلتی ہے
کوئی رہ وار نہیں، فکر کے رہ وار سے تیز
کوئی رفتار نہیں ذہن کی رفتار سے تیز

۱۸

تیزیٔ ذہن جو ہو، سرعتِ گفتار بھی ہو
جاں‌فروشی کے لیے جذبۂ ایثار بھی ہو
قابلِ عفو وہی ہے، جو گنہ‌گار بھی ہو
حَرکت شے سے ہے مشروط، تو رفتار بھی ہو
ہے ہر اک چیز کی حرکت میں رسائی اُس کی
ایسے چلتی ہے کہ ہے ساری خدائی اس کی

۱۹

حسنِ حرکت ہے جہاں میں متوازن رفتار
ہوتی ہے منزلِ مقصودِ کی ضامن رفتار
غیر ممکن کو بنا دیتی ہے ممکن رفتار
کچھ کسی نے کبھی پایا ہی نہیں بِن رفتار
نظمِ رفتار سے چلتی ہے یہ ساری دنیا
موت ہی موت ہے ، رفتار سے عاری دُنیا

۲۰

دیکھیے پیشِ نظر ہیں متحرک اشیاء
ہر طرف گرمِ سفر ہیں متحرک اشیاء
سب اِدھر اور اُدھر ہیں متحرک اشیاء
ٹھہری لگتی ہیں مگر ہیں متحرک اشیاء
کرۂ ارض پہ ہیں نصب خیامِ شمسی
گرمِ رفتار ہے ہر آن نظامِ شمسی

۲۱

انجم و شمس و قمر ، سب اسی رفتار سے ہیں
رنگ و آہنگ و نظر ، سب اسی رفتار سے ہیں
رہرو و راہ گذر ، سب اسی رفتار سے ہیں
روز و شب ، شام و سحر سب اسی رفتار سے ہیں
اِسی رفتار سے ہوتی ہے نمودِ ہستی
اِسی رفتار سے قائم ہے وجودِ ہستی

۲۲

بہتے دریا کی روانی میں ہے رفتار کا رنگ
حُسنِ یوسفؑ کی کہانی میں ہے رفتار کا رنگ
شیب و طفلی و جوانی میں ہے رفتار کا رنگ
آج کی مرثیہ خوانی میں ہے رفتار کا رنگ
مرثیہ تیز کہا ، کام جو آئی رفتار
کتنے اربابِ عزا دور سے لائی رفتار

۲۳

نظمِ رفتار میں مخفی ہے زمانے کا نظام
حسنِ رفتار سے بن جاتے ہیں بگڑے ہوئے کام
سُست رفتار کا ہوتا نہیں اچھا انجام
ختم ہوجائے جو رفتار تو ہے زیست تمام
لُطفِ نظّارہ ہے بس دیدۂ بیدار کے ساتھ
نبض بھی چلتی ہے آخر کسی رفتار کے ساتھ

۲۴

نبض کی ، قلب کی ، انفاس کی رفتاریں ہیں
ذہن کی ، فکر کی ، احساس کی رفتاریں ہیں
خوف کی ، وہم کی ، وسواس کی رفتاریں ہیں
زعم کی ، جہل کی ، خنّاس کی رفتاریں ہیں
یہ نہیں ہو تو فقط اسم ہے ساری دنیا
روح رفتار ہے ، اور جسم ہے ساری دنیا

۲۵

روح کی ہی نہیں ، اجسام کی رفتار بھی ہے
فرد کی ہی نہیں ، اقوام کی رفتار بھی ہے
ابتدا ہی نہیں ، انجام کی رفتار بھی ہے
کفر کی ہی نہیں ، اسلام کی رفتار بھی ہے
خار کی ، پھول کی ، کونپل کی ، کلی کی رفتار
دیکھے مشکل میں کوئی نادِ علیؑ کی رفتار

۲۶

شہرِ ابلاغ میں پیغام کی رفتار بھی ہے
زندگی کے سحر و شام کی رفتار بھی ہے
خانۂ دہر میں آلام کی رفتار بھی ہے
کام چلتا ہے ، تو پھر کام کی رفتار بھی ہے
اِسی رفتار سے سب کارِ جہاں چلتے ہیں
حد ہے ہم راہ مکینوں کے مکاں چلتے ہیں

۲۷

مختلف ہوتی ہے ہر نوعِ سفر کی رفتار
اور ہوتی ہے محبّت کی نظر کی رفتار
شب کی رفتار ہے اور ایک سحر کی رفتار
ضبطِ قانون میں ہے ، راہ گذر کی رفتار
حادثے تیزیِ رفتار سے ہوجاتے ہیں
موت کی گود میں کتنے ہیں کہ سوجاتے ہیں

۲۸

لطف و جودو کرم و حرص و ہوا کی رفتار
کان کہتے ہیں کہ ہے صوت و صدا کی رفتار
مَرض و صِحَت و آثارِ شِفا کی رفتار
ہو جو مجوب تو عاصی کی دُعا کی رفتار
جس قدر جوشِ عقیدت کی ولا ہوتی ہے
اُسی رفتار سے مولا کی عطا ہوتی ہے

۲۹

آب میں ، خاک میں ، آتش میں ، ہوا میں رفتار
تختِ طاوسِ سلیمان و صبا میں رفتار
رقص و موسیقی و آلاتِ غنا میں رفتار
حُسن کے عشوہٗ و انداز و ادا میں رفتار
ہے سماعت کی بھی رفتار ، نگاہوں کی بھی
نیکیوں کی بھی ہے رفتار ، گناہوں کی بھی

۳۰

ہے توجہ کی بھی رفتار ، تغافُل کی بھی
کثرتِ علم کی رفتار ، تجاہُل کی بھی
ہے جو تعجیل کی رفتار ، تامّل کی بھی
متنوع ہے تو ہے ، شکل تقابُل کی بھی
فتحِ خندق کی مباہات کا پندار الگ
جنگ سے بھاگنے والوں کی ہے رفتار الگ

۳۱

نقص رفتار کا یہ ہے کہ بدل جاتی ہے
حدِ انداز و توازن سے نکل جاتی ہے
کسی سرکش کی طرح جب یہ مچل جاتی ہے
اپنے ہم راہ لیے پَیکِ اجل جاتی ہے
زلزلے ، آندھیاں ، طوفان اٹھا دیتی ہے
ہنستے بستے ہوئے شہروں کو مٹا دیتی ہے

۳۲

علم افروز ہے ، ایجادِ ہُنر ہے رفتار
جس میں آباد زمانہ ہے ، وہ گھر ہے رفتار
جس سے سب گذرے ہیں وہ راہ گذر ہے رفتار
خیر ہوتی ہے کہیں اور کہیں شر ہے رفتار
تیز رفتار ہی شعلوں کو ہوا دیتی ہے
تیز رفتار ہی جلنے سے بچا لیتی ہے

۳۳

پیشِ اربابِ اَدَب ، زیر و زَبَر کی رفتار
صِفر خود کیا ہے مگر اُس کے اَثَر کی رفتار
سُست ہوتی ہے تو ہے عُمرِ خِضرؑ کی رفتار
ارتقا میں ہے ابھی نوعِ بشر کی رفتار
کچھ عجب تیزیٔ رفتار کا افسانہ ہے
سالِ نوری ، اسی رفتار کا پیمانہ ہے

۳۴

اور ہے جادۂ تسلیم و رضا کی رفتار
حُرؑ سے پوچھو تو ذرا بختِ رَسا کی رفتار
لائقِ فہم ہے ہر صوت و صدا کی رفتار
کون سمجھے گا محمدؐ کی دعا کی رفتار
ایسی رفتار کا ادراک کہاں ممکن ہے
ان سن و سال پہ بھی عقل بشر کم سن ہے

۳۵

تیز ہوتی ہے بہت برق و شرر کی رفتار
دیدنی ہے مگر ابلاغِ خبر کی رفتار
تھم گئی تھی جہاں جبریل کے پر کی رفتار
اُس سے آگے تھی محمدؐ کے سفر کی رفتار
کس قدر رشک کے قابل ہے یہ رفعت ، دیکھو
کس کے قدموں میں ہے رفتار کی قسمت ، دیکھو

۳۶

آج کس اوج پہ رفتار نظر آئی ہے
زیرِ پا انفُس و آفاق کی پہنائی ہے
دنگ ہر دور کے انسان کی دانائی ہے
جیسا مہمان ہے ، ویسی ہی پذیرائی ہے
وقت ساکت ، لگا رفتار بھی ایسی رفتار
دستِ قدرت سے نمایاں تھی علیؑ کی رفتار

۳۷

ظلمتِ دَہر میں انوارِ سحر ہے رفتار
جس میں ہر آن تغیّر ہے، وہ گھر ہے رفتار
جس کے قدموں میں ظفر ہے، وہ سفر ہے رفتار
کسی پیکر کی مگر دست نگر ہے رفتار
سَرِ رفتار کو دستارِ ہُنر آج ملی
پائے محبوبِؐ الٰہی میں تھی، معراج ملی

۳۸

جس کے یہ ساتھ ہو، ہوتی ہے اُسی کی رفتار
غم و اندوہ کی رفتار، خوشی کی رفتار
ایک دو کی نہیں، ہوتی ہے سبھی کی رفتار
ہو اگر ساتھ نبیؐ کے تو نبیؐ کی رفتار
کون کہتا ہے فقط کون و مکاں تک پہنچی
ساتھ محبوب کے دیکھو تو کہاں تک پہنچی

۳۹

اک زمانے سے ہے کونین میں رفتار کا راج
اس کے سر ہوتا ہے ہر منزلِ مقصود کا تاج
اس کے ہونے سے ہے دنیا میں ترقی کا رواج
کوئی مثلِ اس کا زمانے میں نہ کل تھا، نہ ہے آج
نالے چڑھتے ہیں، تو بڑھتی ہے ندی کی رفتار
کبھی لمحہ میں بھی ہوتی ہے صدی کی رفتار

۴۰

ابھی دیکھا جو نہ تھا سُرعتِ رفتار کا خواب
زندگی سُست تھی ایسی کہ کوئی حد نہ حساب
ذہنِ انساں نے کیئے وا درِ حکمت کے وہ باب
نئی لکھی گئی تہذیب و تمدّن کی کتاب
دانش و فکر نے رفتار کو تیزی بخشی
اور رفتار نے افکار کو تیزی بخشی

۴۱

کیا بھلا وقت تھا جب ہوگیا پہیہ ایجاد
تیز رفتاری کی رکھی گئی پہلی بُنیاد
اِسی ایجاد نے بدلی ہے جہاں کی روداد
اب تو ہر سمت میں ہونے لگی دُنیا آباد
جو خلاؤں میں رواں شام و سحر ہوتے ہیں
اِسی پہیے کی بدولت یہ سفر ہوتے ہیں

۴۲

لے چلے ہیں یہ کہاں راہ نماؤں کے سفر
چاند تاروں سے اُدھر ، دور خلاؤں کے سفر
اور بھی ہوگئے آسان جفاؤں کے سفر
ہم نے گھر بیٹھے بھی دیکھے ہیں فضاؤں کے سفر
عکس و آہنگ میں اعجاز یہ رفتار کے ہیں
بزمِ ایجاد میں انداز یہ رفتار کے ہیں

۴۳

دور کی منزلیں رفتار نے دکھلائی ہیں
دَہر کی وسعتیں رفتار نے دکھلائی ہیں
وقت کی گردشیں رفتار نے دکھلائی ہیں
جوہری قوتیں رفتار نے دکھلائی ہیں
وہ جسے وقت کی رفتار کا احساس نہیں
اُس کی تقدیر میں افلاس ہے، کچھ پاس نہیں

۴۴

یہی رفتار تو لیتی ہے زمانے سے خراج
یہی رفتار تو کرتی ہے غنی اور محتاج
یہی رفتار تو کر دیتی ہے لشکر تاراج
ذوقِ تبدیلئِ حالات ہے بس اِس کا مزاج
بھیڑ بھبھڑ ہے، یہ بھگدڑ ہے، یہ بھونچال ہے یہ
اب جو ہر جگہ ہے موجود وہی چال ہے یہ

۴۵

کل بھی رفتار کا تھا، اور ہے رفتار کا آج
اسی رفتار سے بنتا ہے زمانے کا مزاج
اسی رفتار سے بنتے ہیں بگڑتے ہیں سماج
اور ممکن نہیں دنیا کے حکیموں سے علاج
حال و مستقبل و ماضی کا عمل کیا ہوگا
آج رفتار کا ایسا ہے تو کل کیا ہوگا

۴۶

برق اور نور کی موجوں میں فضاؤں کے سفر
تابکاری کی شعاعوں میں ہواؤں کے سفر
جو معمّہ ہیں ابھی ایسی بلاؤں کے سفر
تن بہ تقدیر زمانے کے خداؤں کے سفر
ایک ذرّے سے توازن کا بگڑنا دیکھا
لاکھوں انسانوں کی بستی کا اُجڑنا دیکھا

۴۷

ان زمانے کے خداؤں نے بچھایا ہے وہ دام
جس نے کر رکھا ہے انسان کا جینا بھی حرام
ایسے ظالم ہیں کہ مظلوم ہیں ساری اقوام
جب بھی یہ چاہیں، جہاں چاہیں، مچا دیں کُہرام
ظلم ڈھانے کا طریقہ کوئی ان سے سیکھے
جان لینے کا سلیقہ کوئی ان سے سیکھے

۴۸

ان کو عیّاری و مکّاری کے سب گُر ہیں یاد
نسل ہی کے نہیں، اندازِ نظر کے جلّاد
اپنے ماحول کے ہیں شمر، یزید، ابن زیاد
جو کسی طرح سے جائز نہیں ایسی اولاد
خون باچھوں میں بھرا رہتا ہے، حیوان ہیں یہ
سچ ہے یہ قول کہ سب سے بڑے شیطان ہیں یہ

۴۹

ننگِ ناموسِ بشر ہیں ، یہ نہنگِ رفتار
عکس و آہنگ کے پردوں پہ ہے رنگِ رفتار
ان کے ترکش میں ہیں موجود خُدنگِ رفتار
ہیں یہی سَر جو کیے بیٹھے ہیں جنگِ رفتار
خون نسلوں کا بہائیں ، انہیں حق ہوتا ہے
ایک ان کا کوئی مارے تو قلق ہوتا ہے

۵۰

ان سے ممکن ہے جو کوئی نہ کسی آن کرے
جانے بوجھے وہ کریں ، کیا کوئی انجان کرے
ان کی مشکل کو خُدا جلد ہی آسان کرے
ظلم یوں کرتے ہیں جیسے کوئی احسان کرے
کہیں دنیا میں اگر حق کا لہو بہتا ہے
اُس کا اِن کے کف و دامن پہ نشاں رہتا ہے

۵۱

یہ جدھر دیکھ لیں غارت ہو اُدھر امن ، امان
ان کی ہی چال تھی وہ جنگِ عراق و ایران
ظُلم کی ان کے یہی ایک ہے کافی پہچان
اِن کی ہم درد ہوا کرتی ہے آلِ سفیان
سارے معقول دلائل کو یہ رد کرتے ہیں
ظلم اک یہ بھی ہے ، ظالم کی مدد کرتے ہیں

۵۲

خطۂ ارض پہ پھیلا ہے تباہی کا جو جال
ہے انہیں لوگوں کے منصوبوں کا سارا یہ کمال
نہ کوئی دین ، نہ مذہب کہ کریں اُس کا خیال
ان کے کیسہ میں رہا کرتا ہے سب لوٹ کا مال
آزمایش بھی ہو ہتھیاروں کی اور جان بھی لیں
اور مظلوم ہی سے جنگ کا تاوان بھی لیں

۵۳

ہر ستم گر پہ یہ خوش ہو کے کرم کرتے ہیں
ہاتھ مظلوم کے پہنچوں سے قلم کرتے ہیں
کوئی مظلوم اگر خوش ہو ، تو غم کرتے ہیں
اُس کو کہتے ہیں "مدد" یہ جو ستم کرتے ہیں
اسلحہ کی ہے کھپت ، جنگ جہاں چلتی ہے
کوئی چلتی نہیں جیسی یہ دُکاں چلتی ہے

۵۴

شدتِ لا متناہی کے وہ مُہلک ہتھیار
کُفر کے ، جبر کے ، شاہی کے وہ مُہلک ہتھیار
ظلم اور ظلم پناہی کے وہ مُہلک ہتھیار
تیز رفتار تباہی کے ، وہ مُہلک ہتھیار
حشر آثار ہلاکت ہے جو ہتھیاروں کی
یہ بھی اک دوڑ ہے بڑھتی ہوئی رفتاروں کی

۵۵

یورشِ ظلم کو صحرا ہے لق و دق اِن کا
جو بھی ناحق ہو، وہی ہوتا ہے بس حق اِن کا
ان کی نظروں میں ہے لایق ہر اک احمق ان کا
سرنگوں ہونا ہے اک روز تو بیرق ان کا
جو بھی پڑتی ہے کڑی، ہنس کے گذر جاتے ہیں
نام لے لو جو خمینی کا تو ڈر جاتے ہیں

۵۶

ظلم ہی ظلم زمانے میں ہے بس ان کا شعار
جو بھی ظالم ہو جہاں اُس کی مدد کو تیار
مکر خود جن کی قسم کھائے یہ ایسے مکّار
وقت کے ساتھ بدل جاتی ہے ان کی رفتار
عہدِ جمہور میں شاہی کو بچا کر آئے
کتنی نسلوں کے نشانوں کو مٹا کر آئے

۵۷

یہ مسلمانوں کے دنیا میں ہیں دشمن پہلے
دوسروں پر یہ لگانے میں ہیں قدغن پہلے
ظلم کی آگ کو کرنے میں ہیں روشن پہلے
آہِ مظلوم کے ہوں گے یہی ایندھن پہلے
ظلم دنیا کے کریں اور سرِ عام کریں
ڈھونڈ لیتے ہیں بہانے کہ کچھ اقدام کریں

۵۸

ان کو مل جاتا ہے لاکھوں کی تباہی کا جواز
ایسے جاسوس کہ پا لیتے ہیں ہر مُلک کے راز
ایک ہی دُھن کہ ہمیشہ ہوں یہی سرافراز
اور دنیا میں کسی کی نہ حقیقت ، نہ مجاز
منجمد بنک میں کردیتے ہیں دولت ساری
ہضم کر جاتے ہیں قوموں کی امانت ساری

۵۹

دوست ، دشمن پہ دکھاوے کی نوازش بھی کریں
تھوڑا کردیں تو بہت اُس کی نمائش بھی کریں
وقت پڑجائے تو تحسین و ستائش بھی کریں
اور ہستی سے مٹا دینے کی سازش بھی کریں
ان سے برداشت کوئی کام ہمارا نہ ہوا
اہلِ اِسلام کا اک بنک☆ گوارا نہ ہوا

۶۰

سب کو معلوم ہے اِن کا قد و قامت کیا ہے
ظلم کیا چیز ہے ، ظالم کی حقیقت کیا ہے
بانٹ بندر کی ہے اور اِن کی عدالت کیا ہے
دوست ایسے ہوں تو دشمن کی ضرورت کیا ہے
اِن کی صدّام نوازی پہ کوئی غور کرے
چھوڑ آئے ہیں سلامت کہ ستم اور کرے

☆ BCCI

۶۱

ان کا مقصد ہے کہ وحدت نہ پنپنے پائے
کُفر پر دین کی ہیبت نہ پنپنے پائے
سرفروشوں کی جماعت نہ پنپنے پائے
کربلا ساز قیادت نہ پنپنے پائے
اِن کو معلوم ہے کردارِ خمینی کیا ہے
کربلا کیا ہے، عزادارِ حسینی کیا ہے

۶۲

جو عزادار ہیں جیتے نہیں ذلت کے لیے
جان دے دیتے ہیں عزّت کی حفاظت کے لیے
کربلا آج بھی انکار ہے بیعت کے لیے
ماتمی ہاتھ ہیں مظلوم کی نصرت کے لیے
کچھ نہ ہو کر بھی جو ہو جاتے ہیں ہونے والے
وہ یہی ہیں شہِ مظلوم کے رونے والے

۶۳

کہیں مظلوم کی نصرت میں نہیں اُن کی نظیر
بس انہی ہاتھوں میں یہ دَم ہے بہ فیضِ شبیرؑ
بوترابی ہیں، اُسی خاک سے ہے ان کا خمیر
جس میں ہے خونِ شہیدانِ وفا کی تاثیر
جوش آتا ہے جو مظلوم کے غم خواروں کو
گردنیں کاٹ دیا کرتی ہیں تلواروں کو

۶۴

کربلا جذبۂ ایثار عطا کرتی ہے
عقل کو دیدۂ بیدار عطا کرتی ہے
لبِ خاموش کو گفتار عطا کرتی ہے
ہمت و جرأتِ انکار عطا کرتی ہے
اپنے آثار سے کردار بدل دیتی ہے
کربلا وقت کی رفتار بدل دیتی ہے

۶۵

وقت کچھ دور نہیں ، آئے گا آنے والا
جس کا جو حق ہے ، وہ دلوائے گا آنے والا
ظلم کو خون میں نہلائے گا آنے والا
کفر کے قصر کو خود ڈھائے گا آنے والا
صاحبِؑ عصر جو شمشیرِ علیؑ لائے گا
ہر جفاکار ، جفاؤں کی سزا پائے گا

۶۶

بگڑے ماحول کے آثار بدلنے کے لیے
دائمی امن سے پیکار بدلنے کے لیے
اب جو رائج ہیں وہ اِقدار بدلنے کے لیے
بھٹکے انسان کا کِردار بدلنے کے لیے
سارے مظلوموں کے لب پر جو وہ نام آئے گا
آخری اپنے زمانے کا اِمام آئے گا

۶۷

مطلعِ زیست کا معیار بدلنے والا
کُفر کی ، ظلم کی اقدار بدلنے والا
کُفر کا دین سے انکار بدلنے والا
آئے گا وقت کی رفتار بدلنے والا
ہر طرف حق کو دبانے کی جو سازش ہوگی
اپنی مخلوق پہ خالق کی نوازش ہوگی

۶۸

جشنِ دیدار کا برپا لبِ زم زم ہوگا
سر زمانے کے خداؤں کا تبھی خم ہوگا
جُز غمِ آلِ نبیؐ اور نہ کوئی غم ہوگا
اک نئے جوش سے شبیرؑ کا ماتم ہوگا
موت جو آئے گی دنیا کے ستم گاروں کی
عید ہوجائے گی مظلوم کے غمخواروں کی

۶۹

خاص حضرت کے جو کچھ ناصر و یاور ہوں گے
وقت کے میثم و سلمان و ابوذر ہوں گے
سب کہاں ناصرِ اولاد پیمبر ہوں گے
تین سو تیرہ جَری ، صورتِ لشکر ہوں گے
جس کے اک فرد ہیں عیسیٰؑ ، وہ جماعت ہوگی
اور قیادت کے مصلّے پہ امامت ہوگی

۷۰

قابلِ دید زمانے کا وہ منظر ہوگا
گردنِ ظلم پہ مظلوم کا خنجر ہوگا
وادیٔ موت میں ہر ایک ستم گر ہوگا
حال بہتر نہیں ، بہتر سے بھی بہتر ہوگا
کرۂ ارض پہ قائمؑ کی حکومت ہوگی
گھر میں اللہ کے معصوم کی بیعت ہوگی

۷۱

پھر سے نافذ جو محمدؐ کی شریعت ہوگی
ظلم مٹ جائے گا ، ہر سمت عدالت ہوگی
ہر جفاکار پہ اللہ کی لعنت ہوگی
اہلِ ایماں کو سعادت کی بشارت ہوگی
چشمِ تاریخ میں یہ عہد نرالا ہوگا
ہر طرف نورِ محمدؐ کا اجالا ہوگا

۷۲

رحمتِ خالقِ کونین کے برسیں گے سحاب
چمنِ دہر میں کِھل جائیں گے ہر سمت گُلاب
یہ زمیں اپنے خزانوں سے اُلٹ دے گی نقاب
مستحق ڈھونڈھتے رہ جائیں گے سب اہلِ نصاب
کوئی محتاج ، نہ مفلس ، نہ پریشاں ہوگا
ساری دنیا میں نہ بھوکا کوئی انساں ہوگا

۷۳

"بیعت اللہ"، ہے معصوم کا نقشِ پرچم
"حُجّتَ اللہ ہوں میں" نقشِ نگینِ خاتم
سارے مظلوموں کا دنیا کے یہی ہے محرم
سجدۂ شکر بجا لائے گی نسلِ آدمؑ
آسمانوں سے جب اک تازہ ہوا آئے گی
قائمِ آلِ محمدؐ کی صدا آئے گی

۷۴

اس صدا سے مجھے اک اور صدا یاد آئی
جس نے کچھ اور ہی رودادِ ستم دہرائی
عصرِ عاشور میں شبّیرؑ کی وہ تنہائی
نہ کوئی دوست، نہ یاور، نہ بھتیجا، بھائی
ایک بے شیر تھا اب ظلم کا سہنے والا
کوئی باقی نہ تھا لبیک کا کہنے والا

۷۵

استغاثے کی صدا، بے کس و مظلوم کی تھی
کب بھلا کوئی خطا بےکس و مظلوم کی تھی
یہ نوازش، یہ عطا بےکس و مظلوم کی تھی
زیرِ خنجر بھی دُعا بےکس و مظلوم کی تھی
قرض ہے سب کی سماعت پہ صدائے شبیرؑ
اس لیے فرض ہے عالم پہ عزائے شبیرؑ

۷۶

بھوک اور پیاس ، یہ صدمے ، یہ مصیبت دیکھو
مُسکراتے ہوئے بچے کی شہادت دیکھو
یوں بھی ہوتا ہے کہیں کارِ ہدایت دیکھو
باپ نے کھودی ہے بے شیر کی تربت دیکھو
استغاثے کی صدا سُن کے لپکنا دیکھو
ماں کی آغوش سے اصغرؑ کا ہُمکنا دیکھو

۷۷

ہو نہ دشمن کی بھی ایسی کبھی قسمت مولا
اور کوئی نہ تھا کرتا جو یہ ہمّت مولا
آپ کے لال نے کی آپ کی نصرت مولا
ہر شہادت سے بڑی ہے یہ شہادت مولا
راہِ معبود میں اک آخری حجّت ہے یہی
کلمہ ختم ہے جس پر ، وہ شہادت ہے یہی

۷۸

کوئی یاور نہیں ، شبیرؑ ہیں تنہا رن میں
ایک مظلوم پہ ہے یورشِ اعدا رن میں
کوئی ہمدرد نظر جب نہیں آیا رن میں
نام لے لے کے شہیدوں کو پکارا رن میں
ہر صدائے لبِ معصومؑ پہ تڑپے لاشے
بے کسیِ شہِ مظلومؑ پہ تڑپے لاشے

۷۹

پھر صدا دی کہ کوئی ہے کرے نصرت میری
ہر مسلمان پہ واجب ہے اطاعت میری
دین دنیا میں اگر ہے تو بدولت میری
دیکھو باقی نہیں آنکھوں میں بصارت میری
کیا کوئی ہے مری امداد کو آنے والا
میرے بچوں کو یتیمی سے بچانے والا

۸۰

وہ جو زینت تھے جہاں کی ، وہ عناصر ہیں کہاں
وہ دلاور ، وہ رہِ حق کے مسافر ہیں کہاں
دشمنوں میں ، مَیں گھرا ہوں مِرے ناصر ہیں کہاں
دوست بچپن کے ، حبیب ابن مظاہر ہیں کہاں
کوئی سُنتا نہیں کیوں آج یہ آہیں میری
ڈھونڈتی ہیں مرے شیروں کو نگاہیں میری

۸۱

میرے شیرو تمہیں کیا ہوگیا ، تم چپ کیوں ہو
کیا ہر اک مجھ سے خفا ہوگیا ، تم چپ کیوں ہو
ظلم اب حد سے سوا ہوگیا ، تم چپ کیوں ہو
حشر اک اور بپا ہوگیا تم چپ کیوں ہو
علی اصغرؑ بھی جدا ہوگیا ، آواز تو دو
فرض جو تھا وہ ادا ہوگیا ، آواز تو دو

۸۲

سُن کے بےکس کی صدا بول اُٹھے بے سر لاشے
جرأت و ہمّت و ایثار کے پیکر لاشے
ناصر و یاورِ اولادِ پیمبر لاشے
قاسم و اکبر و عبّاس کے مضطر لاشے
ہو اگر پھر سے عطا زیست کی مہلت مولا
پھر دل و جاں سے کریں آپ کی نصرت مولا

۸۳

پیش کرتے تھے عجب کرب کا منظر لاشے
جلتی ریتی پہ شہیدوں کے اکہتر لاشے
رہ روانِ رہِ تسلیم کے رہ بَر لاشے
مہر خورشیدِ امامت ، مہ و اختر لاشے
ناز کرتا ہے بہت حقِ مودّت ان پر
ختم ہے آلِ محمدؐ کی رفاقت ان پر

تیسرا مَرثیہ عنوان سُخَن

مَطلع : اُسی کے نام سے کرتا ہوں اِبتدائے سُخَن

بند: ۶۸

تصنیف: ۱۹۹۲ء

علیؑ سے جو شرَفِ اِنتساب رکھتے ہیں
سخَن قبول ، دُعا مُستجَاب رکھتے ہیں
مقابلہ کی نہیں یہ تو بات ظرف کی ہے
نجوم تم رکھو ، ہم آفتاب رکھتے ہیں

۱

اُسی کے نام سے کرتا ہوں ابتدائے سُخَن
کہ جس نے دی ہے دَہَن کو زباں برائے سُخَن
اُسی کی حمد و ثنا ہے بس انتہائے سُخَن
سُخَن وری بھی یہیں ڈھونڈتی ہے جائے سُخَن
یہ کائنات نتیجہ جو حرفِ کُن کا ہے
تو جو بھی کچھ ہے یہ صدقہ اسی سُخَن کا ہے

۲

ثنائے آلِ نبی ہے مرا شِعارِ سُخَن
یہی عَیارِ مودّت یہی عَیارِ سُخَن
علیؑ کی مَدح سے اونچا ہوا وقارِ سُخَن
غمِ حسینؑ بڑھاتا ہے اعتبارِ سُخَن
اِس ایک غم کے سوا اور غم نہ دے مجھ کو
غمِ حسینؑ کسی سے بھی کم نہ دے مجھ کو

۳

جہاں بھی جاؤں جہاں بھی رہوں بحال رہوں
مثال بن کے رہوں ایسا بے مثال رہوں
زوال جس کو نہ آئے وہ باکمال رہوں
غمِ حسینؑ کی دولت سے مالا مال رہوں
غمِ حسینؑ مجھے صبح و شام دے یارب
مرے قلم کو یہی ایک کام دے یارب

۴

کوئی نہ اِس کے سِوا اور کام ہو میرا
کہ جانمازِ ادب پر قیام ہو میرا
کلام جس میں نہ ہو وہ کلام ہو میرا
مِرے سخن کے حوالے سے نام ہو میرا
ہرا بھرا مِرے اشعار کا چمن بولے
زبان جب مِری خاموش ہو، سخن بولے

۵

سخن ورانِ مودّت کی انجمن تو رہے
دلوں میں جوشِ تولّائے پنجتن تو رہے
عقیدتوں کا مہکتا ہوا چمن تو رہے
کہ میں رہوں نہ رہوں، یہ مِرا سخن تو رہے
ہمیشہ جو رہے باقی وہ نام مل جائے
مِرے سخن کو حیاتِ دوام مل جائے

۶

بہشتِ گوش ہے تحسینِ آشنائے سخن
مہک رہی ہے گُلِ مدح سے فضائے سخن
پھر آج مرثیہ گوئی ہے مدعائے سخن
صریرِ خامہ ہے گویا مِری صدائے سخن
متاعِ عرضِ ہنر ٹھیک ٹھیک مل جائے
غمِ حسینؑ کے اشکوں کی بھیک مل جائے

۷

مطلعِ ثانی

سخن کو خلق کیا حق نے کائنات سے قبل
شروعِ وقت سے پہلے ، تغیّرات سے قبل
یہ روز و شب کے مقرر تعیّنات سے قبل
وگرنہ کچھ بھی نہ تھا کُن کی ایک بات سے قبل

یہ ابتدائے سخن ہے ، یہ انتہائے سخن
خدائے دَہر سے پہلے تھا وہ خدائے سخن

۸

تصوّرات کی بستی ، تخیّلات کی بزم
توہّمات کی دنیا ، تحیّرات کی بزم
ضروریات کا دوزخ ، تغیّرات کی بزم
اِسی سخن نے سجائی ہے کائنات کی بزم

نہ خوب و زشت سے ہے اور نہ بیش و کم سے ہے
یہ کائنات کی رونق سخن کے دم سے ہے

۹

سخن ہے حرف ، سخن لفظ ہے ، سخن کلمہ
سخن ہے نطق ، سخن حکم ہے ، سخن فقرہ
سخن ہے طنز ، سخن عذر ہے ، سخن طعنہ
سخن لغت ہے ، سخن بول ہے ، سخن تکیہ

محاورہ ہے ، مقولہ ہے ، تذکرہ ہے سخن
معاملہ ہے ، مقالہ ہے ، تبصرہ ہے سخن

۱۰

سخن سوال ہے ، انکار ہے ، زباں ہے سخن
سخن جواب ہے ، اقرار ہے ، بیاں ہے سخن
ہے داستان سخن ، زیبِ داستاں ہے سخن
جہاں جہاں ہے زمانہ ، وہاں وہاں ہے سخن
موافقت میں سخن ہے ، کبھی خلاف سخن
ہر اعتراض سخن ہے ، ہر اعتراف سخن

۱۱

سخن ہے بات ، سخن گفتگو ، سخن تقریر
سخن کلام ، سخن شاعری ، سخن تحریر
سخن ضیا ہے ، سخن روشنی ، سخن تنویر
سخن کتاب ، سخن آیتیں ، سخن تفسیر
کہیں ہے وحی ، کہیں کشف ہے ، کلام کہیں
کہیں غزل ہے ، کہیں مرثیہ ، سلام کہیں

۱۲

سخن طرازی ، سخن پروری ، سخن فہمی
سخن نوازی ، سخن رانی و سخن دانی
سخن گری و سخن گستری ، سخن گوئی
سخن سرائی ، سخن سنجیٔ و سخن سازی
چراغِ علم و فراست کا نور لازم ہے
ہر ایک کارِ سخن میں شعور لازم ہے

۱۳

سخن ہے جھوٹ ، سُخن سچ ہے اور سخن اِبہام
سخن مِثال ، سُخن مشورہ ، سخن پیغام
سخن دلیل ، سُخن بحث ہے ، سخن الزام
سخن ثبوت ، سُخن فیصلہ ، سخن انعام
زبانِ خلق پہ انصاف کی دُعا ہے سخن
کہیں رہائی ، کہیں موت کی سزا ہے سخن

۱۴

سخن وظیفہ ، سخن ورد ہے ، ریاضت ہے
سخن نکاح ہے ، تلقین ہے ، وصیّت ہے
سخن ہے قول ، سخن ذکر ہے ، نصیحت ہے
سخن حدیث ہے ، قرآن کی تلاوت ہے
ہر اک زبان سخن ہے ، ہر اک ادب ہے سخن
کہیں عجم ہے سخن اور کہیں عرب ہے سخن

۱۵

تعصّبات سخن سے نہیں ، ہمیں سے ہیں
یہ رنگ ونسل سے ہیں اور زر و زمیں سے ہیں
کہیں گُماں سے ہیں یہ اور کہیں یقیں سے ہیں
ہماری ہاں سے کبھی ہیں ، کبھی نہیں سے ہیں
سخن ہمارے ہی احساس کو دکھاتا ہے
جو دل میں ہوتا ہے لب پر وہی تو آتا ہے

۱۶

سخن غلط بھی سخن ہے ، سخن صحیح بھی ہے
سخن بلیغ بھی ہے اور سخن فصیح بھی ہے
سخن حسین بھی ہے اور سخن قبیح بھی ہے
اگر ہو نطقِ پیمبر تو پھر مسیح بھی ہے
لَبِ مسیحؑ پہ جب قُم کا لفظ آتا ہے
سخن مَرے ہوئے انسان کو جِلاتا ہے

۱۷

سُنا ہے طور پہ موسیٰؑ قیام کرتے تھے
زمیں سے کوہ کی جانب خرام کرتے تھے
یہ کارِ خیر تو وہ صُبح و شام کرتے تھے
کلیم تھے تو خدا سے کلام کرتے تھے
کِسے نصیب ہوا ایسی قسمتوں کا سخن
خدا پسند تھا سنتے ہیں کُلتوں کا سخن

۱۸

ہر ایک طرزِ عبادت میں ہے سخن موجود
سخن سلام و تشہّد ، سخن رکوع و سجود
سخن قیام و قعود و دعا ، قنوت و درود
سخن اَذان و اِقامت بگوشِ نومولود
نویدِ گریۂ مولود ہے صدائے سخن
یمِ حیات کا آغاز ہے بنائے سخن

۱۹

سخن کٹے ہوئے رشتوں کو جوڑ دیتا ہے
ضمیر سوئے ہوئے ہوں ، جھنجھوڑ دیتا ہے
کبھی کسی کا تو بھانڈا بھی پھوڑ دیتا ہے
تعلّقات کے بندھن کو توڑ دیتا ہے
بُرے سخن سے بنے کام بھی بگڑتے ہیں
سخن ہو خوب تو ہونٹوں سے پھول جھڑتے ہیں

۲۰

وہ گفتنی ہو کہ ناگفتنی ، مقال سخن
ہے ماں کی بچے سے مہمل سی بول چال سخن
ہو گر صدائے انا الحق بنے وبال سخن
جواب اپنے ، نکیرین کے سوال سخن
کچھ اختیار میں اور کچھ ہے جبر میں بھی سخن
حیات میں بھی سخن اور قبر میں بھی سخن

۲۱

سماج کا جو سخن ہے ، وہی سخن کا سماج
سخن ہر ایک زمانے سے لے رہا ہے خراج
سخن کلامِ خدا ہے ، سخن حدیثِ مزاج
زباں جو عرش پہ کھولے سخن کی ہو معراج
سخن مکیں تھا مکاں کا ، پہ لامکاں بھی گیا
سخن کی بات نہ پوچھو سخن وہاں بھی گیا

۲۲

مُباہلہ بھی سخن اور ذُوالعَشیرہ بھی
جنابِ سیّدِ سجادؑ کا صَحیفہ بھی
وہ شقشقیہ کی صورت علیؑ کا خُطبہ بھی
اُدھر جو مُڑ کے ذَرا دیکھیے سَقیفہ بھی
غَدیرِ خُم کا وہ بَن کون بھول سکتا ہے
وہ تہنیت کا سُخَن کون بھول سکتا ہے

۲۳

یہی بتاتا ہے کہ حَرف کیا ، عدد کیا ہے
یہی بتاتا ہے کہ نیک کیا ہے ، بد کیا ہے
یہی بتاتا ہے کہ جہل کیا ، خرد کیا ہے
یہی بتاتا ہے کہ آدمی کا قد کیا ہے
خموش ہو تو سمجھ میں کوئی کب آتا ہے
کہ شخصیت کا تعارف سخن کراتا ہے

۲۴

چھپا ہے نطق میں ذات و صفات کا جادہ
سخن سے کھلتا ہے سب حُبِ ذات کا جادہ
ہیں حمد و نعت ہماری نجات کا جادہ
اسی سخن سے ہے روشن حیات کا جادہ
یہ بزم زیست سجائی گئی ہے کس کے لیے
یہ کائنات بنائی گئی ہے کس کے لیے

۲۵

وہ ایک نور جو کُن سے بھی پہلے خلق ہوا
بنا کے نور کو خالق نے خود پہ ناز کیا
سب اس کے بعد ہوا جو بھی کچھ ہوا پیدا
کہ اس سے قبل سوائے خدا کے کچھ بھی نہ تھا
یہ نور شاہدِ تخلیقِ کائنات ہوا
اِسی کی ضو سے منوّر رخِ حیات ہوا

۲۶

یہ نور شہر ہے حکمت کا ، عِلم کا در ہے
صداقتوں کا امیں ، دانشوں کا پیکر ہے
سخن اسی کا سلونی ، وقارِ منبر ہے
کوئی امام ہے اس میں ، کوئی پیمبر ہے
محمدؐ عربی سے امامِ غیبت تک
ہدایتوں کا ہے اک سلسلہ قیامت تک

۲۷

ہدایتوں کے اسی سلسلے کا نام ہے نور
میانِ خلق و خدا رابطے کا نام ہے نور
شہادتوں کے اسی قافلے کا نام ہے نور
خدا کی راہ میں اس راستے کا نام ہے نور
اُسی کے اَمرِ مشیّت سے کام کرتا ہے
اُسی کے اِذنِ سخن سے کلام کرتا ہے

۲۸

وہی عظیم و علیم و قدیم و ربِ رحیم
اُسی کے امر سے اس نور کی ہوئی تجسیم
یہ جن کے پیکرِ انوار میں ہوا تقسیم
وہ سب ہیں حکمِ الٰہی سے واجبُ التّکریم
رسولؐ پاک ہیں اک اور امامؑ بارہ ہیں
اور ایک فاطمہؑ زہرا ہیں کُل یہ چودہ ہیں

۲۹

مقامِ شکر کہ قرطاس پر وہ نام آیا
فرازِ عرش سے مدّاح کو سلام آیا
کچھ آج جذبۂ اخلاص میرے کام آیا
سخن وری ، ترے پندار کا مقام آیا
قلم سنبھل کہ بڑا احترام واجب ہے
یہ وہ ہیں جن پہ دُرود و سلام واجب ہے

۳۰

کوئی کلام نہ ہو اِس کلام سے پہلے
یہ محترم ہیں ہر اک احترام سے پہلے
سلام ان پہ ہو ہر اک سلام سے پہلے
درود لب پہ ہمیشہ ہو نام سے پہلے
شعورِ شعر ! تری آبرو ضروری ہے
نمازِ مدح سے پہلے وضو ضروری ہے

۳۱

ادب نے ذکر کیا ہے بصد ادب ان کا
کہیں زمانے میں ثانی ہے کوئی کب ان کا
ہر اک نسب سے ہے اعلیٰ حسب ، نسب ان کا
خدا کے قہر کو دعوت ہے بس غضب ان کا
وہ اپنے آپ سے پر ہول انتقام نہ لے
دَہن جو پاک نہیں ہے وہ ان کا نام نہ لے

۳۲

کنیزِ خاص خدا کی ، رسولؐ کی دختر
جو ماں ہے محسنِ اسلام اُس کی لختِ جگر
مکین جس میں پیمبرِ کے اہلِ بیت ، وہ گھر
فرشتے آتے ہی رہتے تھے جس میں شام و سحر
وہ سر نہیں ہے جو اِس در پہ خم نہیں ہوتا
بغیرِ مَدح سخن محترم نہیں ہوتا

۳۳

انہیں سخن کی عقیدت سلام کرتی ہے
امامِ وقت کی حجّت سلام کرتی ہے
مُباہلہ کی صداقت سلام کرتی ہے
صداقتوں کی حقیقت سلام کرتی ہے
نساُنا کو میسر تو کوئی اور نہیں
بہ اعتبارِ پیمبر تو کوئی اور نہیں

۳۴

بہارِ گلشنِ ایماں کی آب ہیں زہرؑا
جو شاخ گُل ہیں پیمبرؐ ، گلاب ہیں زہرؑا
رہِ حیات میں حق کا نصاب ہیں زہرؑا
عمل بدوش خدا کی کتاب ہیں زہرؑا
رواں ہیں وہ سخنِ حق کی آیتیں دیکھو
مباہلہ کو جو جاتی ہیں صورتیں دیکھو

۳۵

سخن حدیث کے کانوں کی بالیاں ان کی
کلامِ پاک کی آیات ، لوریاں ان کی
فرشتے پیسنے آتے ہیں چکّیاں ان کی
فرازِ عرش پہ جاتی ہے روٹیاں ان کی
فضیلتوں کو کہاں تک کوئی چھپا لے گا
فِدَک نہیں ہے کہ قبضہ کوئی جما لے گا

۳۶

فضیلتوں کی روایت انہیں سے چلتی ہے
یہ سیّدہ ہیں ، سیادت انہیں سے چلتی ہے
خدا کے دیں کی حفاظت انہیں سے چلتی ہے
کہ شاہ راہِ شہادت انہیں سے چلتی ہے
رہِ نجات کے سب انتظام ان کے ہیں
رسولؐ ان کا ہے ، سارے امام ان کے ہیں

۳۷

انہی کی طرح کوئی لا جواب ہو تو کہو
علومِ عالمِ نسواں کا باب ہو تو کہو
کہیں بھی فرد کوئی انتخاب ہو تو کہو
کسی کے گھر میں کوئی بوترابؑ ہو تو کہو
شرف انہیں کا یہ قسمت انہیں کی ٹھہری ہے
خدا کے گھر میں ولادت انہیں کی ٹھہری ہے

۳۸

ہیں ایک نور کے چودہ یہ پیکر انوار
ہر ایک مثلِ محمدؐ ، ہر ایک عرش وقار
ہر ایک ان میں درود و سلام کا حق‌دار
سوائے خالقِ کونین سب کچھ ان پہ نثار
نگاہِ رحمتِ پروردگار ہے ان پر
سو کائنات کا دار و مدار ہے ان پر

۳۹

جو کبریا کا سخن ہے ، وہ مصطفیٰؐ کا سخن
جو مصطفیٰؐ کا سخن ہے ، وہ مرتضیٰؑ کا سخن
حسنؑ کی صُلح کا ہو ، یا ہو کربلا کا سخن
ہمیشہ ایک رہا مسلکِ وفا کا سخن
ہدف ہے ایک ، کمانیں بدلتی رہتی ہیں
سخن ہے ایک ، زبانیں بدلتی رہتی ہیں

۴۰

جو ان کی راہ چلے ، وہ بھٹک نہیں سکتا
جو ان سے چاہ رکھے ، وہ بھٹک نہیں سکتا
جو ان کا ہو کے رہے ، وہ بھٹک نہیں سکتا
جو ان سے علم کو لے ، وہ بھٹک نہیں سکتا
سخن کا ان کے جہاں میں کہیں جواب نہیں
ہے بدنصیب جو اس در پہ باریاب نہیں

۴۱

خدا کے دین کی حجّت انہیں پہ ختم ہوئی
ہر اختیار کی قدرت انہیں پہ ختم ہوئی
رحیم وہ ہے پہ رحمت انہیں پہ ختم ہوئی
قسم غدیر کی ، نعمت انہیں پہ ختم ہوئی
بلند بس یہی تا حدِّ ممکنات ہوئے
رسولؐ کی طرح مولائے کائنات ہوئے

۴۲

خدا کے فضل سے ذات و صفات میں افضل
کچھ ایک بات نہیں ، بات بات میں افضل
ہر اک جہت سے ہیں یہ شش جہات میں افضل
یہی ہیں بعدِ نبی کائنات میں افضل
شریکِ کارِ رسالت مآب کہتے ہیں
زمین والے انہیں بُوترابؑ کہتے ہیں

۴۳

یہی تو ایک ہے بس گھر ، یہی تو اک در ہے
جہاں ہیں مالکِ اشتر ، یہی تو اک در ہے
جہاں پہ بیٹھے ہیں قنبر ، یہی تو اک در ہے
جہاں پہ بنتے ہیں بوذر ، یہی تو اک در ہے
محبتوں میں جو ان کی اسیر ہوتا ہے
رہینِ لطفِ جنابِ امیر ہوتا ہے

۴۴

ہر اک گمان سے پہلے ، خیال سے پہلے
یہ جان لیتے ہیں سب عرضِ حال سے پہلے
سخن شناس یہی ہیں مقال سے پہلے
عطائیں ہوتی ہیں ان کی سوال سے پہلے
یہ ابتداء سے ہیں حاجت روا زمانے کے
یہی تو ایک ہیں مشکل کشا زمانے کے

۴۵

عطا پہ ان کی سخاوت نثار ہوتی ہے
بہادری پہ شجاعت نثار ہوتی ہے
وہ فیصلے کہ عدالت نثار ہوتی ہے
زباں پہ ان کی فصاحت نثار ہوتی ہے
نشاں ہے ان کا سلونی ، خطیب ایسے ہیں
بیاں ہے نہجِ بلاغت ، ادیب ایسے ہیں

۴۶

جو جی رہے ہیں حصارِ قضا میں ہیں محفوظ
نجانے کتنے مسائل خلا میں ہیں محفوظ
کہے گئے جو سخن سب صدا میں ہیں محفوظ
سنا ہے ساری صدائیں فضا میں ہیں محفوظ
جو ہم نہیں تو کوئی تو یہ پھول چُن لے گا
سخن علیؑ کے علیؑ کی زباں سے سُن لے گا

۴۷

خدا کا شکر کہ سر سبز ہے نہالِ سخن
بھرا ہے مثلِ صدف دامنِ جمالِ سخن
بقدرِ ظرف ہے ہر ایک کو مجالِ سخن
کمالِ اوج پہ فائز ہوا کمالِ سخن
زباں پہ نامِ انیسؔ و دبیرؔ آتے ہیں
ہٹو کہ سخن کے امیر آتے ہیں

۴۸

کوئی برت نہ سکا وہ زبان کا برتاؤ
بگاڑ پاس نہ آ پائے اس طرح کا بناؤ
سخن میں جھول ، نہ الفاظ میں کہیں پہ تناؤ
وہ لکھنؤ کا مذاقِ سخن اور اُس کا رچاؤ
سلیس و سادہ سخن ہی زباں پہ ڈھلتا تھا
مزاجِ نرم پہ حرفِ ثقیل کھلتا تھا

۴۹

نہیں ہے ان کے کمالات میں کہیں بھی کلام
کسی کو مل نہ سکا ، وہ انہیں ملا ہے مقام
جو مرثیے کے پیمبر تو منقبت کے امام
سخن بھی وجد میں آتا ہے سُن کے ان کے سلام
ثنائے آلِ نبی صبح و شام کرتے رہے
غمِ حسینؑ کی دولت کو عام کرتے رہے

۵۰

ثنائے آلِ نبی تھا جہاں میں بس اک کام
وہ مرثیہ ہو کہ نوحہ ، وہ منقبت کہ سلام
ہر ایک صنفِ سخن کو دیا ہے حسنِ دوام
ادب کے ماہِ دو ہفتہ ، سخن کے ماہِ تمام
سخن کا بُرجِ شرف ایک ہے ، قمر دو ہیں
یہ معجزہ ہے کہ شب ایک ہے ، سحر دو ہیں

۵۱

یہ ناخدائے سخن ہیں ، تو وہ خدائے سخن
سخن نے ان کے بڑھائی بہت بہائے سخن
ہوئی نہ تنگ بدن پر کہیں قبائے سخن
سخن تھا ان کے لیے اور یہ برائے سخن
مثالِ وقتِ رواں یہ گذر نہیں سکتے
غمِ حسینؑ سے زندہ ہیں ، مَر نہیں سکتے

۵۲

غمِ حسینؑ ہے اِن کی حیات کا ضامن
کمالِ ذات کا ، حسنِ صفات کا ضامن
تغیّراتِ جہاں میں ثبات کا ضامن
یہی ہے روزِ قیامت نجات کا ضامن
جسے علیؑ کی محبّت نصیب ہوتی ہے
اُسے سخن کی یہ دولت نصیب ہوتی ہے

۵۳

وِلائے آلِ محمدؐ ہے ہر گھڑی درکار
وگرنہ اتنے ہیں شاعر کہ کوئی حد نہ شمار
ہر ایک کو نہیں ملتی یہ دولتِ بیدار
نہیں علیؑ سے محبت تو ہر سخن بے کار
زبان و دل میں جو خوئے یزید ہوتی ہے
تو پھر سخن کی بھی مٹی پلید ہوتی ہے

۵۴

خلوصِ نیّتِ دل پر ہے اِس کا دار و مدار
سخن کی راہ میں حائل نہیں کوئی دیوار
کوئی نکلتا ہے جب بن کے میثمِ تمّار
سخن پھر اپنی زباں کھولتا ہے برسرِ دار
جو جان جائے تو جائے ، اَلم نہیں ہوتا
زبان گدّی سے کھنچ جائے ، غم نہیں ہوتا

۵۵

شرف زباں کا یہی ہے کہ لے حسینؑ کا نام
جہاں میں عام کرے شاہِ کربلا کا پیام
کسی بھی صنف میں ہو اور کسی زباں میں کلام
مگر جو دل سے کہا جائے بہرِ نذرِ امام
سماعتوں سے دلوں میں مقام پائے گا
وہی سخن تو حیاتِ دوام پائے گا

۵۶

ہوئی جو عالمِ غربت میں صُبحِ عاشورہ
حسینؑ نے علیؑ اکبر کو دیکھ کر یہ کہا
جو منتظر ہے ہمارا وہ وقت آ پہنچا
اٹھو اٹھو ، علیؑ اکبر ! اذان دو بیٹا
یہ پھول گلشن ناپایدار سے چُن لیں
کہ ہم شبیہِ پیمبر سے اک اذاں سُن لیں

۵۷

عیاں تھی تشنہ لبی گو دہانِ اکبرؑ سے
اذان دی علی اکبرؑ نے شانِ اکبرؑ سے
صدا رسولؐ کی آئی زبانِ اکبرؑ سے
سخن بھی وجد میں آیا اذانِ اکبرؑ سے
اذانیں دیتی زبانیں ہیں آج تک باقی
اُسی اذاں سے اذانیں ہیں آج تک باقی

۵۸

وہ لو ، وہ دھوپ ، وہ پیاس اور کربلا کا وہ بَن
گھرے ہیں نرغۂ اعداء میں اور دُور وطن
اُجڑنے والا ہے اولادِ مصطفیٰؐ کا چمن
حسینؑ پہلے ہی نانا کو دے چکے ہیں سخن
وہ عہدِ طفلی تو ہر حال میں نبھانا ہے
ابھی تو لاش جواں لال کی اٹھانا ہے

۵۹

جوان لال جسے چاہتا ہے سارا گھر
عیاں ہے وضع سے جس کی شبابِ پیغمبرؐ
وہ لال جس کو ملے اپنے جد کے سب تیور
جوان لال جو ہوتا ہے جانشینِ پدَر
وہ جس کو دیکھ کے ، دل باغ باغ ہوتا ہے
وہ لال جو کسی گھر کا چراغ ہوتا ہے

۶۰

پدر کی جان ، وہ اٹھارہ سال کا اکبر
ہر اک کی آنکھ کا تارا ، ہر اک کا نورِ نظر
نگاہِ بد سے بچاتی رہے جسے مادر
جسے پھوپھی نے بھی دیکھا نہیں نظر بھر کر
بغیر بھائی کے لگتا تھا دل نہ جینے میں
وہ جس کی ایک بہن رہ گئی مدینے میں

۶۱

حسینؑ نے جو یہ دیکھا کہ مضطرب ہے پسر
کہا کہ جاؤ اجازت پھوپھی سے لو جاکر
گئے جو خیمہ میں دیکھا کہ زینبِ مُضطر
جُھکی ہیں خاک پہ اور یہ دُعا ہے ہونٹوں پر
خدایا ! آج علیؑ کا نشان بچ جائے
کسی طرح مِرے بھائی کی جان بچ جائے

۶۲

جُھکے ادب کو جو اکبر پھوپھی کے قدموں پر
لرز رہی تھی زباں ، یہ سخن تھا ہونٹوں پر
کہ زخم سارے رفیقوں نے کھائے سینوں پر
یہ حق تو باپ کا ہوتا ہے اپنے بیٹوں پر
مِرے نصیب میں کیا دن ہے یہ گذرنے کو
کہ بیٹا گھر میں رہے باپ جائے مرنے کو

۶۳

ابھی تو عونؑ و محمدؑ کو دی تھی رن کی رضا
مجھے بس آپ نے اپنا پسر نہیں سمجھا
یہ سُن کے حضرت زینبؑ کا دل تڑپ اٹھا
لگایا سینے سے اکبرؑ کو اور یہ رو کے کہا
ملال کیا ہے جو اپنے لہو میں بھر کے پھرے
میں خوش ہوں اُن سے بزرگوں کا نام کرکے پھرے

۶۴

کہا پھوپھی سے کہ کیا ان کے دن تھے مرنے کے
یہ دن تھے خیر سے ، دامن خوشی سے بھرنے کے
یہ سال و سن تو نہ تھے جان سے گذرنے کے
نہیں تھے آپ کو ارمان بیاہ کرنے کے
سُنا جو بیاہ کا کلمہ تو کوہِ غم ٹوٹا
لگا کہ زینبؑ مُضطَر کا جیسے دم ٹوٹا

۶۵

زمیں سے اٹھتے ہوئے تھام کر جگر بولیں
جواں بھتیجے پہ حسرت سے کی نظر ، بولیں
عجیب یاس سے اکبرؑ کو دیکھ کر بولیں
زبان ساتھ نہیں دیتی تھی مگر بولیں
خبر تمہیں بھی ہے ارمان جو ہمارے ہیں
جواں ہو لال ، یہ شادی کے دن تمہارے ہیں

۶۶

تمہیں جو اذنِ وغا چاہیے تو ما ں سے کہو
اگر عروسِ فنا چاہیے تو ماں سے کہو
نشانِ راہِ بقا چاہیے تو ماں سے کہو
تمہیں جو رن کی رضا چاہیے تو ماں سے کہو
تمہاری ماں تو ہیں لیلیٰ ، تم ان کے جائے ہو
میں کون ہوتی ہوں ، کیوں میرے پاس آئے ہو

۶۷

سُنی یہ بات تو قدموں پہ گر گئے اکبرؑ
کہا پھوپھی سے کہ بس رحم میری حالت پر
کوئی نہ اتنا ہو دنیا میں بدنصیب پسر
کہ اُس کے سامنے مرنے کو جائے اُس کا پدر
اگر ابھی نہ مجھے جنگ کی رضا دیں گی
بتائیں بنتِ نبیؐ کو جواب کیا دیں گی

۶۸

کہا یہ زینبِؑ مضطر نے جاؤ اے بیٹا
پدر کو جا کے سخن یہ سناؤ اے بیٹا
میں صبر کرتی ہوں خوں میں نہاؤ اے بیٹا
جو ہو سکے تو پدر کو بچاؤ اے بیٹا
عجیب وقت یہ زہراؑ کے نورِ عین پہ ہے
کہ آج خاتمۂ پنج تن حسینؑ پہ ہے

سلام

اہلِ ولا سے قبل تو قامتِ حرف ہی نہ تھی
عشق تھا قنبری نہ تھی ، صدق تھا بوذری نہ تھی

معرفتِ خدا بھلا شیخ کو ہوتی کس طرح
معرفتِ نبیؐ نہ تھی ، معرفتِ علیؑ نہ تھی

قبضے میں کر کے شیر کیوں اپنا شکار چھوڑتا
ساتھ جہادِ نفس تھا ، صِرف سپہ گری نہ تھی

وقت پہ ثبت ہو گیا حر نے کیا وہ فیصلہ
بگڑی کسی نصیب کی ایسی کبھی بنی نہ تھی

حبِ علیؑ سے پیش تر ، بغضِ معاویہ سے قبل
دوستی دوستی نہ تھی ، دشمنی دشمنی نہ تھی

ذکرِ حسینؑ اصل میں وجہِ حیات بن گیا
ورنہ یہ ساری زندگی عمر تھی ، زندگی نہ تھی

باقرِ خستہ حال پر مولا کا فضل ہوگیا
راہِ سفر میں شاعری ایسی کبھی ہوئی نہ تھی

چوتھا مرثیہ عنوان کربلا

مطلع : آج بھی سرچشمۂ فکر و عمل ہے کربلا

بند: ۶۸

تصنیف: ۱۹۹۴ء

شُروع ماہِ مُحرَّم ہوا حُسینؑ حُسینؑ
زباں پہ آگیا بےساختہ حُسینؑ حُسینؑ
جو چاہتے تھے عَزائے حُسینؑ مِٹ جائے
وہ سَب فنَا ہوئے باقی رَہا حُسینؑ حُسینؑ

باقر زیدی

۱

آج بھی سرچشمۂ فِکر و عَمل ہے کربلا
جس کا حل مشکل ہو، اُس مشکل کا حَل ہے کربلا
اک نمونہ بہرِ اقوام و مِلَل ہے کربلا
آمروں کی موت، شاہوں کی اَجَل ہے کربلا
یہ حُسینؑ ابن علیؑ کا آخری اقدام ہے
اور اسی اقدام سے باقی خدا کا نام ہے

۲

کربلا ہے حُسنِ اَفکارِ حسینؑ ابنِ علیؑ
کربلا ہے عکسِ کِردارِ حسینؑ ابن علیؑ
کربلا ہے زِندہ شَہکارِ حسینؑ ابن علیؑ
کوئی دیکھے تو یہ آثارِ حسینؑ ابن علیؑ
کی طہارت قلب کی، ذہنوں کو طاہر کردیا
اس نے مفہومِ شکست و فتح ظاہر کردیا

۳

کربلا ہے ایک اِقدامِ شعور و آگہی
کربلا ہے ایک ہنگامِ شعور و آگہی
کربلا ہے ایک اِنعامِ شعور و آگہی
کربلا ہے ایک پیغامِ شعور و آگہی
اقتدارِ ظلم میں مظلوم کی دم‌ساز ہے
حشر تک باقی رہے گی جو وہی آواز ہے

۴

نازشِ انسانیت ہے افتخارِ کربلا
جس کے غم سے آج قائم ہے شعارِ کربلا
لال ہے جس کے لہو سے لالہ زارِ کربلا
وہ حسینؑ ابنِ علیؑ وہ اعتبارِ کربلا
ڈوبتی کشتی نکالی دین کی منجدھار سے
کاٹ دی تلوار جس نے موجِ خوں کے تار سے

۵

ہے کم اصلوں ہی کی سازش کا نتیجہ کربلا
تھی خبر جس کی سقیفہ ، وہ ضمیمہ کربلا
اک فریضہ ، ایک مقصد ، ایک جادہ کربلا
ایک معزز جینے مرنے کا سلیقہ کربلا
حق کو باطل پر نویدِ کامرانی اس نے دی
جاں بلب تھا دیں ، حیاتِ جاودانی اس نے دی

٦

بات یہ انصاف کی روشن ہوئی مثلِ شفق
خون سے رنگین کر کے کربلا کا ہر ورق
دے دیا نسلِ ابوطالبؑ نے دنیا کو سبق
ہر کوئی رکھتا نہیں ہے ہر کسی منصب کا حق
سنتے ہیں کہ اصل سے کوئی خطا ہوتی نہیں
اور کسی کم اصل میں خوئے وفا ہوتی نہیں

۷

آج اگر زندہ نہ ہوتی داستانِ کربلا
ظلم مظلوموں کی لاشوں سے سمندر پاٹتا
دَہر میں عزت سے جینے کا نہ ہوتا حوصلہ
لوگ بھی گھبرا کے طاقت ہی کو کہہ دیتے خُدا
زورِ ظلم و زعم، طاقت ہو فنا تیرے بغیر
یہ کبھی ممکن نہیں تھا کربلا تیرے بغیر

۸

ناتواں افراد کو جینے کی ہمّت اِس نے دی
بے نوا انساں کو گویائی کی قوّت اس نے دی
پیشِ حاکم بے کسوں کو اِستقامت اس نے دی
دستِ بیعت خواہ شل کرنے کی طاقت اس نے دی
سارے مظلوموں کی دنیا میں یہی غم خوار ہے
جو بھی اس کشتی میں بیٹھا، اُس کا بیڑا پار ہے

۹

خود چمن ہے، خود ہی گُل، ہے خود کلی ہے کربلا
جنگ میں بھی موجِ صُلح و آشتی ہے کربلا
ایک دن کی وُسعتوں میں، اک صدی ہے کربلا
موت گھبراتی ہے اِس سے، زندگی ہے کربلا
موت کی تاریک راہوں میں ہے اک نورِ حیات
جینے والوں کو دیا ہے اس نے دستورِ حیات

۱۰

کربلا تاریخ ہے ، آئین ہے ، دستور ہے
واقعہ ہے ، جنگ ہے ، تحریک ہے ، منشور ہے
جبرِ سُلطانی نہیں ہے ، طاقتِ جمہور ہے
اختیارِ شاہ اس کے سامنے مجبور ہے
جب ضرورت ہو تو تلواریں علم کرتی ہے یہ
ظلم کے ہاتھوں کو پہنچوں سے قلم کرتی ہے یہ

۱۱

تُندیٔ طوفاں کو کردیتی ہے ساحل آج بھی
ناتوانوں کو دکھادیتی ہے منزل آج بھی
ہاتھ خالی جا نہیں سکتا ہے سائل آج بھی
نام سے اس کے دہل جاتا ہے باطل آج بھی
اس کی رو میں روزوشب ہیں فردِ ماہ وسال ہے
کربلا ماضی ہے ، مستقبل ہے ، عہدِ حال ہے

۱۲

بے عمل لوگوں کو ترغیبِ عَمَل دیتی ہے یہ
زندگی کو زندگی کا ماحَصَل دیتی ہے یہ
عُقدہِ لَاحل ہو گر کوئی تو حَل دیتی ہے یہ
زندگی عزت کی ، عزت کی اَجَل دیتی ہے یہ
درسِ عزمِ کربلا کو جو بھلا سکتا نہیں
اُس کی پیشانی کوئی آمر جھکا سکتا نہیں

۱۳

ساری راہوں میں یہی راہِ عمل ہے انتخاب
جو عمل پیرا ہو اس پر بس وہی ہے کامیاب
کربلا ہے مکتبِ انسانیت کی وہ کتاب
بابِ شہرِ علم کی پائی ہے جس نے آب، تاب
ایک قربانی برائے نوعِ انسانی ہے یہ
صرف قربانی نہیں، معراجِ قربانی ہے یہ

۱۴

کربلا ایثار و قربانی کی اک ترغیب ہے
ایک طرزِ فکر ہے، اخلاق کی تہذیب ہے
ذہن کی تطہیر ہے، تدبیر ہے، ترتیب ہے
اہلِ باطل کے لیے تنبیہ ہے، تادیب ہے
یہ عَلَم وہ ہے جسے کوئی جھکا سکتا نہیں
اس سے ٹکرا کے دشمن سر اٹھا سکتا نہیں

۱۵

کربلا کی ضو سے روشن ہے شَبِستانِ حیات
یہ حدیثِ زندگانی ہے، یہ قُرآنِ حیات
بند ہو جاتی ہے جب ہر راہِ اِمکانِ حیات
موت کے بھونچال میں لاتی ہے سَامَانِ حیات
حق نُما ہے، حق نِگَر ہے، باعثِ تَبریک ہے
جس کا مستقبل ہے تابندہ یہ وہ تحریک ہے

۱۶

کربلا کا ذکر ہے شمعِ شبستانِ ادب
جگمگاتا ہے اسی سے آج ایوانِ ادب
کربلا کا ذکر کرتے ہیں جو خاصانِ ادب
استفادہ کر رہے ہیں خوشہ چینانِ ادب
اک پیامِ زندگی دیتی ہے سب کو کربلا
مرثیہ سے زندہ رکھتی ہے ادب کو کربلا

۱۷

آج ہر صنفِ سخن میں کربلا کا رنگ ہے
مرتضیٰؑ و مصطفیٰؐ و کبریا کا رنگ ہے
جانثاروں کا، شہیدانِ وفا کا رنگ ہے
حُسن ہے ان میں قیامت کا، بلا کا رنگ ہے
اک تمدّن چاہیے اب کربلا کے نام کا
تاکہ پھر سے بول بالا ہو سکے اسلام کا

۱۸

آج تک اپنے اثر میں بے بدَل ہے کربلا
وقت کے تالاب میں گویا کنول ہے کربلا
بے مَحل ممکن نہیں تھی؛ برمحل ہے کربلا
اس لیے تو بعدِ صفین وجَمل ہے کربلا
مسئلوں کا اک مثالی حل جو نیک انجام ہے
ختمِ حجت ہے، یہ حق کا آخری اقدام ہے

۱۹

کربلا تاریخِ انسانی کا نقشِ لاجواب
جیسے بیہڑ سے بیاباں میں کوئی شاخِ گلاب
نور کا وہ دشت جس کا ذرّہ ذرّہ آفتاب
اس میں قاسمؑ کا لڑکپن ، اس میں اکبرؑ کا شباب
چودہ صدیوں کی زبانوں پر جو زندہ باد ہے
کربلا وقت ومکاں کی قید سے آزاد ہے

۲۰

فکر کے ایوان میں اللہ اکبر ، کربلا
وقت کے ہیجان میں اللہ اکبر ، کربلا
جنگ کے میدان میں اللہ اکبر ، کربلا
موت کے طوفان میں اللہ اکبر ، کربلا
کشتیِٔ ایماں کو رُکنے ہی نہیں دیتی کبھی
پیشِ باطل حق کو جھکنے ہی نہیں دیتی کبھی

۲۱

کربلا مظلوم کو قدرت کا اک انعام ہے
نام ہی سے اس کے باطل لرزہ براندام ہے
صبح مظلوموں کی ہے اور ظالموں کی شام ہے
کربلا کی اِس صِفَت کا نام ہی اسلام ہے
گردنِ باطل کی شہ رگ سے لہو پیتی ہے یہ
موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جیتی ہے یہ

۲۲

کربلا اب بھی غُرورِ خُسرَوی پر ضرَب ہے
اقتدار و حاکمیت سے مسلسل حرَب ہے
سطوتِ باطل پہ طاری اضطرابِ کرَب ہے
آج بھی اس کے اثر میں شرق ہے اور غرَب ہے
کربلا کے سامنے شاہی سسکتی لاش ہے
ہر یزیدِ وقت کی یہ اک شکستِ فاش ہے

۲۳

نصرتِ مظلوم میں ظالم سے نفرت کربلا
مَسلک قرآن . میں اجرِ رسالت کربلا
ہر کڑی مشکل میں ہے جس کی ضرورت کربلا
نامُساعد وقت میں جینے کی ہمت کربلا
موت کی چھاگل میں آبِ زندگانی کربلا
العطش کہنے لگے دنیا ، تو پانی کربلا

۲۴

کربلا کی فکر دیتی ہے پیامِ انقلاب
صبح وشامِ کربلا ہیں صبح وشامِ انقلاب
اس کے ہی ہاتھوں میں رہتی ہے زمامِ اِنقلاب
کربلا کا نام ہی گویاہے نامِ انقلاب
بے کس و بے بس کو تلقینِ عمل دیتی ہے یہ
دستِ استبداد کی طاقت کچل دیتی ہے یہ

۲۵

ذرّہ ذرّہ کربلا کا ماہتاب و آفتاب
لا نہیں سکتی ہے دنیا آج بھی اس کا جواب
راستوں میں زندگی کے ہے یہی راہِ صواب
نقش ہیں اس کی زمیں پر پائے ابنِ بوترابؑ
سجدۂ شبیرؑ کی حاصل نمازِ کربلا
وہ حدِ توفیقِ انساں ہے فرازِ کربلا

۲۶

آب کی بندش میں دریا کی روانی کربلا
حق کا باطل پر یقینِ کامرانی کربلا
چودہ صدیوں نے کہی جس کی کہانی کربلا
کمسنی ، طفلی ، ضعیفی اور جوانی کربلا
سال وسنِ کی دوریاں حائل ہیں اور سب ایک ہیں
کربلا جس میں بہتّر دل ہیں اور سب ایک ہیں

۲۷

تشنگانِ جوئے حق کو آبِ زم زم کربلا
معرفت حاصل ہو تو شبیرؑ کا غم کربلا
یہ دلِ پُرسوز اور یہ چشمِ پُرنم کربلا
دور کیوں جاتے ہو یہ مجلس ، یہ ماتم کربلا
کربلا کے ذکر سے پہنچا پیامِ انقلاب
اہلِ دل بڑھنے لگے پی پی کے جامِ انقلاب

۲۸

توڑ دے پندارِ شاہی کو یہ تھی کس کی مجال
فوج کی اور اسلحہ کی کوئی طاقت تھی نہ مال
جوں ہی اپنائی ذرا سی کربلا کی چال ڈھال
انقلاب ایسا ہوا برپا نہیں جس کی مثال
ظلم کے دریا کا دھارا اور بہہ سکتا نہ تھا
تختِ شاہی اس کی زد میں آ کے رہ سکتا نہ تھا

۲۹

کربلا کے ذکر نے راہِ عمل ہموار کی
ملتِ خوابیدہ جو غفلت میں تھی بیدار کی
باعمل ماؤں نے پھر اک نسل وہ تیار کی
بن گئی جو کم سِنی میں روشنی کردار کی
تھا جو ناممکن ، ہوا ممکن قیامِ اِنقلاب
کربلا بردوش جب آیا ، امامِ انقلاب

۳۰

سب نے دیکھا ہے ابھی اِسلام کا وہ انقلاب
ساری دنیا میں ہے جس کی روشنی کی آب وتاب
کربلا کی راہ کا جو بھی کرے گا انتخاب
اہلِ ایراں کی طرح وہ بھی رہے گا کامیاب
توڑسکتا ہے وہی کبر و غرورِ جاہ کو
اور وہی زنجیر کرسکتا ہے پائے شاہ کو

۳۱

دُشمنِ ایراں یہی جو مغربی اقوام ہیں
دُشمنِ ایران کب ہیں دشمن اِسلام ہیں
سب مسلمانوں پہ ان کے ظلم صبح وشام ہیں
کربلا کے نام سے خائف یہ بدانجام ہیں
آج بھی ہوتی ہے فتحِ حق کی ضامن کربلا
ہو جو ناممکن ، بنا دیتی ہے ممکن کربلا

۳۲

کچھ نہ طاقت کا ، نہ پندارِ اَنا کا فرق ہے
اور نہ کچھ ایران کی آب وہوا کا فرق ہے
کرب سے یہ بات کہتا ہوں ، بَلا کافرق ہے
کلمہ گو سب ہیں شعارِ کربلاکا فرق ہے
کربلا کا اس زمانے میں اَثر تو دیکھیے
یہ ہزاروں سال کی شب کی سحر تو دیکھیے

۳۳

ہیں عراق و مصر و کویت کے مسائل بھی عجب
امّتِ مرحوم تیرے اور ایسے روزوشب
جو حرم کے پاسباں بنتے ہیں شاہانِ عرب
خود محافظ ان کا امریکا ہے ، امریکا ہے رب
وہ کسی کو بھی کوئی سوغات دے سکتے نہیں
جو بھکاری خود ہوں، وہ خیرات دے سکتے نہیں

۳۴

ہم مسلمانوں کی حالت اَلامَان والحَذر
حکمراں اپنے ہیں سب طاغوت کے زیرِ اَثر
سب غُلامِ روس و امریکا ، اسیرِ سیم و زَر
کربلا میں اِن کو اپنی موت آتی ہے نَظَر
کج کلاہوں کی کجی برداشت کرسکتی نہیں
کربلا اِن کو کبھی برداشت کرسکتی نہیں

۳۵

کچھ دُعا کا ہے ، نہ اِن کو بددُعا کا خوف ہے
جو انہیں بالکل نہیں ہے ، وہ خدا کا خوف ہے
حکمرانوں کے دلوں میں کربلا کا خوف ہے
یا بہ الفاظِ دگر اپنی فنا کا خوف ہے
جو ابھی تک پیروِ فکرِ امیرِ شام ہیں
ایسے حاکم کربلا سے لرزہ براندام ہیں

۳۶

عارضی لگتا تھا باطل کو دَوامِ انقلاب
اب بھی خاموشی سے جاری ہے خرامِ انقلاب
باعثِ دہشت ہے دشمن کو پیامِ انقلاب
اہلِ باطل لے رہے ہیں انتقامِ انقلاب
کربلا سے جو ملا ہے وہ سبق بھی چھین لیں
چاہتے ہیں ہم سے اب جینے کا حق بھی چھین لیں

۳۷

گردنوں میں ہیں مسلمانوں کی جو ذِلّت کے طوق
جبر و استبداد اور طاغوت کی ہیبت کے طوق
خواہش و حرص و ہوا و دولت وشہرت کے طوق
وہ بھی دن آئے گا جب ٹوٹیں گے یہ لعنت کے طوق
شرط بس یہ ہے کہ ذکرِ کربلا باقی رہے
ذکر سے ذہنوں میں فکرِ کربلا باقی رہے

۳۸

ہیں جہاں پر بھی مسلماں بستۂ آلام ہیں
دل شکستہ ہیں ، شکارِ گردشِ ایام ہیں
سازشیں ان کو مٹادینے کی صُبح وشام ہیں
جو بظاہر دوست ہیں ، سب دشمنِ اسلام ہیں
جب مَرَض ناسور بن جائے تو مَرہَم کربلا
جب یزید اتنے بہت سے ہوں تو ہَر دَم کربلا

۳۹

خوف کیا ہو ، دھوپ میں سایہ ہے باغِ کربلا
تشنگی دل کی بجھاتا ہے اَیاغِ کربلا
جب بھی دل کے ساتھ رہتا ہے دماغ کربلا
آندھیوں میں خوب جلتا ہے چراغ کربلا
چاند سورج کی ہو یا اپنے ہیے کی روشنی
ماند کردیتی ہے سب کو اِس دیے کی روشنی

۴۰

ہم اکیلے بھی ہوں گر دنیا میں ، تو غم کچھ نہیں
قوتیں باطل کی سب مل کر بھی باہم کچھ نہیں
طاقتِ ایماں ہو تو دینار و درہم کچھ نہیں
کربلا والوں کی نظروں میں یہ عالم کچھ نہیں
موت سے ہم یوں بھی کر لیتے ہیں پیمانِ حیات
جان دے دیتے ہیں ، لے لیتے ہیں میدانِ حیات

۴۱

سب مسلماں بھائی بھائی ، مانتے ہیں یہ بھی سب
پھر مسلمانوں کی آپس میں لڑائی کا سبب
اختلافِ فقہ سے بدلے ہیں کیوں نام و نسب
ایک قرآں ، اِک نبی اور ایک ہی ہم سب کا رب
ہم مُوحِد ہیں تو یہ وحدت بھی آفاقی رہے
کیا ضروری ہے کہ فرقوں میں بھی ناچاقی رہے

۴۲

ہم نے خود اپنے دلوں سے کیا کیا ہے یہ سوال
اُمتِ مرحوم پر کُھلتا نہیں کیوں کر مآل
ساری دنیا میں جہاں دیکھو ہمیں پر ہے زوال
کیا کبھی ذہنوں میں آیا کربلا کا بھی خیال
ڈوب کر دریائے خوں میں پار اُترنا سیکھ لو
جینا عزت سے اگر چاہو ، تو مرنا سیکھ لو

۴۳

گر یقیں ہوجائے دُنیا کو بس اتنی بات کا
اب بھی زندہ ہے مسلمانوں میں روحِ کربلا
سازشوں سے باز آجائیں گے سب اہلِ جفا
آنکھ اُٹھاکر ہم کو دیکھے کس کا ہوگا حوصلہ
پھر رواں اربابِ حق کا قافلہ ہوجائے گا
ختم ساری منزلوں کا فاصلہ ہوجائے گا

۴۴

ہم تو بچپن ہی سے ہیں مکتب نشینِ کربلا
اپنی گھٹّی میں پڑا ہے انگبینِ کربلا
بعد کی نسلیں بھی ہوں گی خوشہ چینِ کربلا
یہ یقیں ہے اس طرح جیسے یقینِ کربلا
کربلا کا ، ساری دُنیا کو یہی پیغام ہے
کربلا کوچہ نہیں ہے ، شاہراہِ عام ہے

۴۵

کربلا کے نام لیوا ہی رہینِ جَور ہیں
سب کھٹکتے ہیں اُنہیں جو بھی ہمارے طَور ہیں
ہیں ہمیں جو ہر گھڑی دنیا کے زیرِ غَور ہیں
مت غلط سمجھو ہمیں ، ہم لوگ ہی کچھ اَور ہیں
حق کی خاطر گھر کا گھر اپنا لٹا دیتے ہیں ہم
اور چراغِ ہستیِ باطل بُجھا دیتے ہیں ہم

۴۶

حق کی دولت پاس ہو تو کوئی دولت کچھ نہیں
تم اکیلے بھی ہو تو دنیا کی طاقت کچھ نہیں
فاسق و فاجر کا اظہارِ مسرت کچھ نہیں
ہستیِ باطل ہے کیا ، اس کی حقیقت کچھ نہیں
پیشِ حاکم حق بیانی کا سلیقہ یاد ہے
شام کے دربار میں زینبؑ کا خطبہ یاد ہے

۴۷

کربلا کہتی ہے ناحق کوئی سمجھوتہ نہ ہو
کربلا کہتی ہے خود حق دار کو حق جا کے دو
جنگ ہو یا صُلح تم موقف سے اپنے مت پھرو
جنگ کے دوران ہنگامِ نماز آجائے تو
لاکھ حربے ظلم کے وجہِ قضا ہوتے رہیں
موت سَر پر ہو مگر سجدے ادا ہوتے رہیں

۴۸

کربلا کہتی ہے مقصد کی طرف بڑھتے رہو
وقت پڑجائے تو مقصد کے لیے جانیں بھی دو
کربلا کہتی ہے جب بھی ہو اصولی جنگ ہو
اور کسی حالت میں بھی باطل کی بیعت مت کرو
جو بھی ہو سُلطانِ جابر اُس کی بیعت حق نہیں
کربلا کہتی ہے حق طاقت ہے ، طاقت حق نہیں

۴۹

دیکھتی کب ہے عَجم کو اور عَرب کو کربلا
کچھ نہ کچھ حَسَبِ طلب دیتی ہے سَب کو کربلا
چھانٹ لیتی ہے ہر اک عالی نَسَب کو کربلا
روزِ روشن سے بدل دیتی ہے شَب کو کربلا
حُر تو قسمت کا دھنی تھا ہی مگر یہ کون ہے
غالبًا آغوش میں آقا کی لاشِ جون ہے

۵۰

جَون افریقہ کا باشندہ ، وہ اک حبشی غلام
خدمتِ آخر کو جس کی آپ پہنچے ہیں امام
ایک فضہؑ ہیں جنہیں حسنینؑ کرتے ہیں سلام
زینبؑ و کلثومؑ ماں کہہ کر پکاریں صبح وشام
رنگ ونسل وقوم کے سب حل یہاں موجود ہیں
کربلا سے ہٹ گئے تو راستے مسدود ہیں

۵۱

کربلا چھوڑی تو پندارِ اَنا باقی نہیں
زندگی ہے ، زندگی کا وَلولَہ باقی نہیں
اُسوۂ شبیرؑ کی آب و ہَوا باقی نہیں
ہیں رَسوماتِ عزا روحِ عزا باقی نہیں
مشکلیں درپیش ہیں ہم کو تو حل بھی چاہیے
جوشِ ایمانی تو ہے ، جوشِ عمل بھی چاہیے

۵۲

یہ رسوماتِ عزا رستہ تو ہیں ، منزل نہیں
کشتیاں ہیں مجلس و ماتم مگر ساحل نہیں
دل ہیں سینوں میں مگر افسوس سوزِ دل نہیں
کچھ نہیں ہے گر شعورِ کربلا حاصل نہیں
گریۂ وشیون تو ہیں ، مشکل کا حل کچھ بھی نہیں
کربلا کا تذکرہ ہے اور عمَل کچھ بھی نہیں

۵۳

کربلا کی یاد ہے دل میں بہ اندازِ جنوں
یہ جنوں صدیوں سے ہے دل میں ہمارے جوں کا توں
کربلا کے ذکر ہی سے دل کو ملتا ہے سکوں
اِس سے غافل تو نہیں ہیں ، یہ ہے اِک اچھا شگوں
اس شگونِ نیک سے نکلے گا کل کا راستہ
اُسوۂ شبیرؑ پھر ہوگا عمل کا راستہ

۵۴

اُسوۂ شبیرؑ سے روشن ہے راہِ کربلا
مہر و ماہِ زندگی ہیں مہر و ماہِ کربلا
جذبۂ جوشِ عمل پر ہو کُلاہِ کربلا
کیوں ڈرے وہ جس کو حاصل ہو پناہِ کربلا
دشتِ دہشت میں لعینوں کی جفائیں دیکھیے
کربلا کے ایک دن کی کربلائیں دیکھیے

۵۵

پیاس سے بچوں کا خیموں میں مچلنا کربلا
وہ نمازِ عصر ، وہ سورج کا ڈھلنا کربلا
درد سے اکبرؑ کا وہ پہلو بدلنا کربلا
بی بیاں ، بے وارثی ، خیموں کا جلنا کربلا
جیت ہے مظلوم ہی کی صبر کے ہر وار سے
ظلم کٹ جاتا ہے اکثر اپنی ہی تلوار سے

۵٦

اک سپاہی پر جو اُتری تھی وہ تیغِ آب‌دار
لافتیٰ اِلّا علیؑ ، لا سیف الّا ذوالفقار
یوں رہی ہے طاعتِ معصوم میں خدمت گزار
ایک ننھی سی بنائی قبر بھی انجامِ کار
کیوں نہ ہو یہ فدیۂ راہِ خدا کی قبر ہے
درحقیقت فاتحِ کرب وبلا کی قبر ہے

۵۷

لائے تھے اصغر کو شہ پانی پلانے کو مگر
خوں میں ڈوبی باپ کے ہاتھوں پہ تھی لاشِ پسر
جانتے بھی تھے کہ اس کا منتظر ہے گھر کا گھر
پر امانت سونپ دی مٹی کو تربت کھود کر
رن سے خالی ہاتھ جب خیمہ میں سرور جائیں گے
ماں اگر بچّے کو پوچھے گی تو کیا بتلائیں گے

۵۸

وہ سناں اور قلبِ ہم شکلِ پیمبرؑ دیکھیے
بازوئے شبیرؑ اور حلقومِ اصغرؑ دیکھیے
ضبطِ نفس و صبر عباسِؑ دلاور دیکھیے
سر سے وہ کھینچی گئی زینبؑ کی چادر دیکھیے
وہ افق پر کربلا کے غم کی بدلی چھا گئی
دیکھیے پردیس میں شامِ غریباں آ گئی

۵۹

خون میں ڈوبی ، بلا کی تیرگی کی شام ہے
تشنگی کی ، بے بسی کی ، بے کسی کی شام ہے
موت سے بدتر ہے ایسی زندگی کی شام ہے
دشتِ ناپُرساں ہے اور بے وارثی کی شام ہے
تین دن کی پیاس کے مارے بلکتے بھی نہیں
ظلم سے سہمے ہوئے بچے سسکتے بھی نہیں

۶۰

کیسے بچوں کو سنبھالے زینبِؑ خستہ جگر
جل گئے خیمے ، حرم بیٹھے ہیں فرشِ خاک پر
کیا جلائے وہ دیا کوئی ، جلا ہو جس کا گھر
بے ردائی میں اندھیرے نے کیا پردہ مگر
ہے بہت شامِ غریباں میں اندھیرا کام کا
جس نے پردہ رکھ لیا آلِ شہِؑ اسلام کا

۶۱

ہیں نہ اب عباسؑ اور نہ اکبرِؑ عالی جناب
اک جلے خیمے کی ہاتھوں میں لیے ٹوٹی طناب
اب طلایہ پھر رہی ہے صرف بنتِ بوترابؑ
بےکسوں کی شام ہے اور اشقیا ہیں بےحساب
دشت میں بےخوف بیٹھے ہیں غریبانِ حرم
شیر دل بیٹی علیؑ کی ہے نگہبانِ حرم

۶۲

تیرگیٔ شب میں یہ زینبؑ نے دیکھا ایک بار
ان کی جانب بڑھتا آتا ہے مسلسل اک سوار
جب قریب آیا نقابِ رُخ ہوا پھر آشکار
تب ہوئی یوں اس سے گویا، زینبِؑ عالی وقار
میں نواسی ہوں نبیؐ، کی دخترِ کرّار ہوں
نام ہے زینبؑ مِرا، میں قافلہ سالار ہوں

۶۳

لٹ گئی راہِ خدا میں آلِ محبوبؐ خدا
کوئی بھی باقی نہیں ہے اب مِرا چھوٹا بڑا
اِک مِرا سجّادؑ، سوغش میں ہے، تپ میں مبتلا
لٹ چکے اہلِ حرم کچھ بھی نہیں باقی رہا
بالیاں بچی کی اور رانڈوں کا زیور لٹ گیا
بی بیوں کی چادریں، عابدؑ کا بستر لٹ گیا

۶۴

میں نہ بھولوں گی کبھی بھائی کا اپنے چھوٹنا
دشت میں آلِ محمدؐ کا مقدر پھوٹنا
لوٹنے کو ظالموں کا بےکسوں پر ٹوٹنا
لوٹنا ہے گر تجھے بھی تو سحر کو لوٹنا
پیاس کی شدت سے سوتے سوتے روئے ہیں ابھی
روتے روتے میرے بچے تھک کے سوئے ہیں ابھی

۶۵

دفعتاً فارس نے اپنے پاؤں سے چھوڑی رکاب
سامنے زینبؑ کے اُلٹی اپنے چہرے سے نقاب
کربلا کی خاک پر اُترے فرس سے بوترابؑ
اپنے سینے سے لگا کر بولے زینبؑ سے شتاب
ہاں مِری بیٹی بڑے پردیس میں غم کھائے ہیں
چین سے سو اب ، نگہبانی کو بابا آئے ہیں

۶۶

باپ کے قدموں سے زینبؑ نے لپٹ کر تب کہا
کیوں نہ آئے جب مرے بھائی کا کٹتا تھا گلا
کیوں نہ آئے تیر جب اصغرؑ کی گردن پر لگا
کیوں نہ آئے جیتے جی پامال جب قاسمؑ ہوا
کیوں نہ آئے خاک پر ٹھنڈا عَلَم ہوتا رہا
بھائی کا بازو پہ جب بازو قلم ہوتا رہا

۶۷

کیوں نہ آئے جب چھنے ننھی سکینہؑ کے گہر
کیوں نہ آئے جب لُٹیں سر کی ردائیں سر بسر
کیوں نہ آئے جب چھنا بستر، تھا عابد خاک پر
کیوں نہ آئے جب جلے خیمے، ہوا برباد گھر
آئے ہو جب بھائی سے ہمشیر رن میں چھٹ گئی
آئے ہو جب ساری اماّں کی کمائی لٹ گئی

۶۸

اور کیا باقرؔ میں حالِ زینبِ مضطر لکھوں
باپ سے بیٹی کا شکوہ کیسے کاغذ پر لکھوں
گفتگو زینبؑ کی دل کا کرب میں کیوں کر لکھوں
حشر مجلس میں بپا ہے اور کیا محشر لکھوں
باپ سے بیٹی کے شکوے دل کو تڑپانے لگے
لکھتے لکھتے چشمِ نم میں ظلم لہرانے لگے

سلام

جو شہیدوں کا غم نہیں رکھتے
کچھ خدا کی قسم نہیں رکھتے

چل رہے ہیں علیؑ کے جادے پر
راہ میں پیچ و خم نہیں رکھتے

جہاں ذکرِ علیؑ نہیں ہوتا
ہم وہاں پر قدم نہیں رکھتے

جو نہ کرتے ہوں ذکرِ آلِؑ نبیؐ
وہ زباں، وہ قلم نہیں رکھتے

جو علیؑ دشمنی میں ہیں معروف
نام بھی ان کے ہم نہیں رکھتے

جن کا مولا ہو بُت شکن وہ لوگ
آستیں میں صنم نہیں رکھتے

کر رہے ہیں حسینؑ کا ماتم
ہم کوئی اور غم نہیں رکھتے

پانچواں مرثیہ عنوان **طاقت**

مطلع : طاقتِ حرفِ سُخن آج دِکھانا ہے مجُھے

بند: ۸۶

تصنیف: ۱۹۹۴ء

تخت و جاہ و حشم نہیں رکھتے
پھر بھی گردن کو خم نہیں رکھتے
ہم نے جینا علیؑ سے سیکھا ہے
موت کا خوف ہم نہیں رکھتے

۱

طاقتِ حرفِ سخن آج دکھانا ہے مجھے
سال بھر بعد اُسی راہ پہ جانا ہے مجھے
اک چراغ اور عقیدت کا جلانا ہے مجھے
پانچواں مرثیہ اِس سال سنانا ہے مجھے
آج پھر راہ روِ جادۂ دشوار ہوں میں
اہلِ مجلس سے دُعاؤں کا طلب گار ہوں میں

۲

صاف و سادہ ہو بیاں ، ایسی سلاست آئے
لفظ سنجیدہ ہوں ، لہجہ میں متانت آئے
قالبِ شعر میں اعجازِ فصاحت آئے
سَیلِ افکار میں ابلاغ کی طاقت آئے
سرنگوں وقت کی برگشتہ جبینیں ہوجائیں
اتنا پانی ہو کہ سیراب زمینیں ہوجائیں

۳

طائرِ فکر کو پرواز کی طاقت مل جائے
اس سخن سے مجھے جینے کی بشارت مل جائے
پیکرِ شعر کو ایسا قد و قامت مل جائے
سب ہوں صف بستہ اسے اذنِ امامت مل جائے
ہیچ ہوجائے یہیں طبل و علم کی طاقت
بند ذہنوں پہ بھی کُھل جائے قلم کی طاقت

۴

یاد آئی مجھے اک ساعت قِرطاس و قلم
جانے والے کو ہوئی رغبتِ قرطاس و قلم
چند ذہنوں پہ جو تھی ہیبتِ قرطاس و قلم
سامنے آنے نہ دی صورتِ قرطاس و قلم
اسی صورت سے یہ منظر پسِ منظر نکلا
ہم نشیں باعثِ توہینِ پیمبرؐ نکلا

۵

اے قلم فکر کو الفاظ کی پوشاک تو دے
ایسی پوشاک جو مضمون کا ادراک تو دے
ایسا ادراک جو احساس کو خوراک تو دے
سُرمۂ خاکِ درِ پنجتن پاک تو دے
چشمِ بینا میں دوبالا ہو نظر کی طاقت
ظلمتِ شب میں نظر آئے سحر کی طاقت

۶

خُفتہ احساس جگانا ہیں سنو ، اے باقرؔ!
ہوچکا بس بہت آرام ، اُٹھو اے باقرؔ!
مرثیہ فکر کی طاقت سے لکھو ، اے باقرؔ!
ضعف مصرعوں میں ذرا سا بھی نہ ہو، اے باقرؔ!
جس کا کم زور سہارا ہو وہ حاوی ہے ضعیف
ضُعف ہو جس کی حدیثوں مین وہ راوی ہے ضعیف

۷

فرش سے اُٹھ کے جو میں برسَرِ منبر آیا
گردشِ وقت کو اس اوج سے چکّر آیا
رشک کرنے کو سکندر کا مقدر آیا
غلغلہ تھا کہ غُلامِ شہِؑ قنبر آیا
کس میں ہمّت ہے کہ اِس ذکر کا رستہ روکے
کس میں طاقت ہے کہ اِس فکر کا رستہ روکے

۸

کوئی منظر جو نگاہوں سے گزرتا ہے مِرے
افقِ ذہن پہ سورج سا اُبھرتا ہے مِرے
شعر الہام ہے جو دل پہ اترتا ہے مِرے
ڈھل کے الفاظ میں ہونٹوں پہ سنورتا ہے مِرے
اور بڑھ جاتی ہے جب طبعِ رسا کی طاقت
مرثیے نظم میں لاتی ہے وِلا کی طاقت

۹

اہلِ طاقت کو ہوا کرتا ہے طاقت کا خُمار
جیسے اربابِ حکومت کو حکومت کا خمار
کثرتِ مال سے ہو جاتا ہے دولت کا خُمار
اور ہوتا ہے مگر حق و صداقت کا خمار
صدق گوئی روشِ جرأتِ گفتار ملے
جس کو گردِ قدمِ میثمِ تمّار ملے

۱۰

ایک طاقت ہے مگر اُس کے نشانے لاکھوں
آئینہ ایک مگر آئینہ خانے لاکھوں
قصّے طاقت کے نئے اور پرانے لاکھوں
جزوِ تاریخ ہیں طاقت کے فسانے لاکھوں
دمِ عیسیٰ کہیں موسیٰ کا عصا ہوتی ہے
حق کی طاقت سے یہی وصفِ خدا ہوتی ہے

۱۱

وہ قوی خود ہے تو تنکے کو بھی قوت دی ہے
زیرِ آب آ کے اُبھرنے کی بصیرت دی ہے
زورِ طوفاں سے حفاظت کی ضمانت دی ہے
کیسے بے وزن کو کس وزن کی طاقت دی ہے
کتنے طوفاں ہیں جو آتے ہیں گذر جاتے ہیں
یہی تنکے تو سَرِ آب ٹھہر جاتے ہیں

۱۲

اک پیمبر سے جو دنیا نے لڑائی طاقت
میرے معبود کو اک آنکھ نہ بھائی طاقت
بیٹا پربت پہ گیا ہوگئی رائی طاقت
الاماں جوش میں آئی جو خُدائی طاقت
ایک کشتی ہی فقط زیست کا عنوان بنی
وہ بھی طاقت ہی تھی جو نوحؑ کا طوفان بنی

۱۳

متعجب ، متحیر ، متلاطم طاقت
متناسب ، متواتر ، متحکم طاقت
متعصب ، متنفر ، متصادم طاقت
متحارب ، متکبر ، متخاصم طاقت
ہاتھ ظالم کے جو لگ جائے تو اندھی ہو جائے
دستِ حق کوش میں پہنچے تو خُمینی ہو جائے

۱۴

شورِ طوفان و تلاطم میں کنارہ بھی یہی
موجِ ہستی بھی یہی ، موت کا دھارا بھی یہی
چشمِ بینا کے لیے آنکھ کا تارا بھی یہی
دَہرِ بے مہر میں جینے کا سہارا بھی یہی
کہیں پتھر ، کہیں چاندی ، کہیں سونا طاقت
اہلِ طاقت سے بھی منواتی ہے لوہا طاقت

۱۵

دستِ قانون میں ہے دار و رسن کی طاقت
دشت میں دوڑتی پھرتی ہے ہرن کی طاقت
شام و ایران کی ہے ، مصر و یمن کی طاقت
مُنحَصر حُبِ وطن پر ہے وطن کی طاقت
قابلِ رشک ہے ایمان کی طاقت دیکھو
دیکھنا ہو تو سلیمان کی طاقت دیکھو

۱۶

سارے عالَم میں تھی مشہور حکومت اِن کی
سارے اطراف میں پھیلی تھی ریاست اِن کی
ساری دنیا میں جو دولت تھی ، وہ دولت اِن کی
سانس لیتے ہوئے ہر جسم پہ قدرت ان کی
جال ہر قسم کی آواز کے بُن لیتے تھے
وہ سماعت کہ صدا چیونٹی کی سُن لیتے تھے

۱۷

لطف و احساں ہوئے احسان و عنایت کا جواب
ہجر ہوتا نہیں تسکینِ رفاقت کا جواب
کبھی تکلیف نہیں ہوتی ہے راحت کا جواب
صرف طاقت ہی ہوا کرتی ہے طاقت کا جواب
پیشِ فرعون بنے حضرتِ موسیٰؑ طاقت
دستِ موسیٰؑ میں عصا اور یدِ بیضا طاقت

۱۸

دین کی ہوتی ہے ، ہوتی ہے دَھرم کی طاقت
صبر کی ، شُکر کی اور ظلم و ستم کی طاقت
ہے مسرت کی بھی طاقت جو ہے غم کی طاقت
سامنے سچ کے ہے کیا جھوٹی قسم کی طاقت
بے یقینی ہو تو اوہام بھی طاقت بن جائیں
بُت پرستی ہو تو اصنام بھی طاقت بن جائیں

۱۹

گھُپ اندھیرا ہو تو اک شمع کی لَو بھی طاقت
کِشتِ شب رنگ سے اک پھوٹتی پَو بھی طاقت
بات اعداد کی گر ہو تو ہے نو بھی طاقت
کھیل کوڑی کا جو کھیلو تو ہے پو بھی طاقت
دس گُنی سیڑھیاں گنتی میں جو چڑھ جاتی ہے
طاقتِ صفر سب اعداد سے بڑھ جاتی ہے

۲۰

کچھ بھی ممکن نہیں ہوتا کبھی طاقت کے بغیر
کان سنتے ہی نہیں تابِ سماعت کے بغیر
دل تڑپتا ہی نہیں دردِ محبت کے بغیر
کام چلتا ہی نہیں گردشِ دولت کے بغیر
سیر ہے جس کا سوا سیر، ہے دھَن کی طاقت
کبھی رَتی میں سما جاتی ہے مَن کی طاقت

۲۱

جس قدر علم ہو، بڑھتی ہے فضیلت اُتنی
علم جتنا بڑھے، بڑھتی ہے بصیرت اُتنی
خرچ جتنا کرو، بڑھتی ہے یہ دولت اُتنی
جتنا حاصل کرو، بڑھتی ہے ضرورت اُتنی
علم کے در پہ ہر اک دستِ سوال آتا ہے
اور زر و مال کی دولت پہ زوال آتا ہے

۲۲

ہَر بُن موئے بدن میں ہے ، بدن کی طاقت
تن کی طاقت سے سِوا ہوتی ہے من کی طاقت
شعر لکھواتی ہے شاعر سے سخن کی طاقت
جیسے فن کار کے وِجدان میں فن کی طاقت
طاقتِ فن ہو جسے ماہرِ فن ہوتا ہے
اپنے ماحول میں سورج کی کرن ہوتا ہے

۲۳

رونقِ ارض و سما ، ارض و سما کی طاقت
لازمِ کلمۂِ توحید ہے ، لا کی طاقت
ہیبت و دبدبۂ و ظلم و جفا کی طاقت
بڑی سرکش ہے مگر حُبِ اَنا کی طاقت
ایک سجدے کا جو انکار کرا دیتی ہے
ایک پل میں اُسے شیطان بنا دیتی ہے

۲۴

ہے مُسبّب یہی ہر شے کی بہ فیضِ اسباب
طاقت جوشِ نمو ، روز کھلاتی ہے گلاب
ہر قدم ساتھ ہے طفلی ہو کہ پیری کہ شباب
یہ وہ دریا ہے کہ ہے جس سے زمانہ سیراب
مقتلِ جاں میں لیے خون کی دھاریں طاقت
گلشنِ دَہر میں لاتی ہے بہاریں طاقت

۲۵

روح کی طرح ہر اک شے میں رواں ہے طاقت
صَرف طاقت کا عیاں ہے پہ نہاں ہے طاقت
دَینِ اللہ کی ہے ، حق کا نشاں ہے طاقت
زندگی بھی وہیں ہوتی ہے جہاں ہے طاقت
مَلک الموت کی صورت میں جب آ جاتی ہے
کتنے فرعونوں کو مٹی میں ملا جاتی ہے

۲۶

صبر اک وار سے جب دستِ ستم توڑتا ہے
سطوتِ سلطنت و جاہ و حشم توڑتا ہے
آگے بڑھتے ہوئے ظالم کے قدم توڑتا ہے
ظلم ، مظلوم کے قدموں ہی میں دم توڑتا ہے
دستِ جابر میں اگر جبر کی طاقت ہے بہت
دلِ مظلوم میں بھی صبر کی طاقت ہے بہت

۲۷

سب نے دیکھی ہے دواؤں میں شِفا کی طاقت
سب سمجھتے ہیں یتیموں کی دُعا کی طاقت
رنگ دکھلاتی ہے خونِ شہدا کی طاقت
کربِ مظلوم میں ہوتی ہے بَلا کی طاقت
کسی مظلوم سے جب تحفۂ جاں مانگتی ہے
طاقتِ ظلم بھی پھر جاں کی اماں مانگتی ہے

۲۸

اس کی تعلیم سے اخلاق نے سیکھے آداب
اس کی مٹی سے ہیں تہذیب و تمدن کے گُلاب
اس کے پانی سے ہے ہر چہرۂ گل رنگ پہ آب
رقص و آہنگِ غزل شعر و سخن چنگ و رباب
راگ ایسا ہے کہ ہر ایک یہ دُھن گاتا ہے
اک زمانہ ہے کہ طاقت ہی کے گُن گاتا ہے

۲۹

جانے کتنے ہیں صدَف جن میں ہیں گوہر پنہاں
کتنی دولت ہے کہ رکھتے ہیں سمندر پنہاں
ذرۂ خاک میں طاقت کے ہیں جوہر پنہاں
چشمِ انساں سے ہیں کتنے مہ و اختر پنہاں
اتنے پردے ہیں ، کوئی چاک نہیں کرسکتا
ذہن انسان کا ادراک نہیں کرسکتا

۳۰

حق کی بخشی ہوئی توفیق کی طاقت دیکھو
مبدءٔ فیض میں تحقیق کی طاقت دیکھو
علم سے علم کی تصدیق کی طاقت دیکھو
بزمِ افکار میں تخلیق کی طاقت دیکھو
دانش و علم و فراست ہی کے نام آتی ہے
یہ وہ طاقت ہے جو مخلوق کے کام آتی ہے

۳۱

زور ہو زر کا جہاں ذکرِ ابوذرؓ ، طاقت
دَل پہ فوجوں کے جو چھا جائیں بہتّر طاقت
پیشِ سلطان کوئی مردِ قلندر ، طاقت
زَد پہ تلواروں کی سوئے سَرِ بستر ، طاقت
نیند آجائے تو طاقت وہیں سونا بن جائے
اور گہوارے میں اژدر بھی کھلونا بن جائے

۳۲

کیا کہیں ، حق سے ملی ہے انہیں کیسی طاقت
ہو جہاں جیسی ضرورت وہاں ویسی طاقت
طاقتیں لرزہ براندام ہیں ایسی طاقت
زیر ہے چاہے مقابل پہ ہو جیسی طاقت
یہ وہ ہیں جن کے لیے حق سے حُسام آتی ہے
ان کی طاقت ہے جو اللہ کے کام آتی ہے

۳۳

ساری خلقت کی زباں پر ہے فسانہ ان کا
بے خطا ہے جو نشانہ وہ نشانہ اِن کا
مظہر زورِ الٰہی ہے تو شانہ اِن کا
کُن سے پہلے کا زمانہ بھی زمانہ ان کا
ان کی توثیق سے توفیق ہوئی ہے طاقت
بس انہیں کے لیے تخلیق ہوئی ہے طاقت

۳۴

ہر خزانے سے جُدا ان کے خزانے کا وقار
ہر فسانے سے سوا ان کے فسانے کا وقار
کس گھرانے کو ملا ان کے گھرانے کا وقار
ان سے باقی ہے زمانے میں زمانے کا وقار
راس اسلام کو آئی نہ کسی کی طاقت
درِ خیبر سے کھلی نادِ علیؑ کی طاقت

۳۵

دستگیری میں کوئی صاحبِ قنبر سا کہاں
جاں فروشی میں کوئی مالک اُشتر سا کہاں
ساری دنیا میں کوئی ان کے برابر سا کہاں
صدق گوئی میں کہیں کوئی ابوذر سا کہاں
بڑھ کے یوں حق و صداقت کا علم کھول دیا
حاکم شام کی سطوت کا بھرم کھول دیا

۳۶

چشمِ تخئیل میں طاقت کے جو منظر آئے
دستِ معصوم پہ حق گوئی کو کنکر آئے
خانۂ حق میں ابابیلوں کے لشکر آئے
دَر بنا کعبہ کی دیوار میں ، حیدرؑ آئے
میرے مولا کو نصیری جو خدا کہتے ہیں
طاقتِ جوشِ عقیدت سے سوا کہتے ہیں

۳۷

گُل ایمان ہیں طاقت کا ٹھکانا کیا ہے
ایک مرضیِ خدا اور خزانہ کیا ہے
طاقتِ کفر نے آخر انہیں جانا کیا ہے
نصرتِ حق میں انہیں خون بہانا کیا ہے
اپنے خوں سے رہ ایثار بنادیتے ہیں
دشتِ بے آب کو گلزار بنادیتے ہیں

۳۸

پاپ سے ہے تو کہیں پُن سے ہے دُنیا آباد
رنگ تہذیب و تمدن سے ہے دُنیا آباد
راہِ تسلیم و تعاون سے ہے دُنیا آباد
صرف طاقت کے توازن سے ہے دُنیا آباد
بات کرنے کا بھی پھر اور ہی ڈھب ہوتا ہے
بگڑے طاقت کا توازن تو غضب ہوتا ہے

۳۹

زیب دیتا نہیں انسان کو طاقت کا گھمنڈ
ضائع کرتا ہے عبادت کو عبادت کا گھمنڈ
سَر میں ہوتا ہے امیروں کے امارت کا گھمنڈ
بادشاہوں کو رعایا پہ حکومت کا گھمنڈ
ظالم و مُستبد و اہلِ جفا بنتے ہیں
اور بڑھ جائے رعونت تو خدا بنتے ہیں

۴۰

یا الٰہی کسی کم ظرف کو طاقت نہ ملے
کسی ظالم کو زمانے کی قیادت نہ ملے
فکرِ منفی کو کبھی علم و فراست نہ ملے
رایت و منصب و جاگیر و ریاست نہ ملے
نیزہ ہے تیغ ہے سیفی ہے چھُری ہے طاقت
ہو بُرا جس کا نتیجہ، وہ بُری ہے طاقت

۴۱

جہل کا کام بھی دیتی ہے قلم کی طاقت
تابکاری کی شعاعوں میں ہے سم کی طاقت
ہر گھڑی بڑھتی ہی جاتی ہے ستم کی طاقت
خاک کے ذرے سے بن جاتی ہے بم کی طاقت
اوجِ افلاک سے تا مسکنِ ماہی دیکھو
صَرف طاقت کا غلط ہو تو تباہی دیکھو

۴۲

دوست کوئی نہیں دشمن بھی ہے عیار بہت
ایک ہی ہاتھ میں دولت کے ہیں انبار بہت
اہلِ جمہور میں شاہوں کے طرف دار بہت
بِکنے والے ہوں ضمیروں کے خریدار بہت
کچھ تو قبضہ میں رکھیں اپنی ضرورت کے لیے
جتنی طاقت ہے وہ شاہوں کی حفاظت کے لیے

۴۳

پاپ اس طرح سے کرتے ہیں کہ ہو پُن جیسے
دولت اتنی کہ برستا ہو کوئی ہُن جیسے
ساری دنیا کی انہیں رہتی ہے دُھن گُن جیسے
ان کی طاقت ہے کہ گنجے کے ہوں ناخن جیسے
جو جہاں بھی ہے سِوا اس سے سوا ہیں گویا
بات کرتے ہیں تو ایسے کہ خُدا ہیں گویا

۴۴

زَعمِ طاقت جو ہے ہر وقت کے شیطانوں میں
ظلم ہی ظلم تو ہے ظلم کے ایوانوں میں
کچھ درندے بھی ہیں موجود جو انسانوں میں
یہی قانون ہے جنگل میں بیابانوں میں
زور جنگل کا مکیں اس طرح دکھلاتا ہے
جو قوی ہوتا ہے کمزور کو کھاجاتا ہے

۴۵

آپ انسان ہیں دنیا کو بتاتے چلیے
اپنے افکار کی شمعوں کو جلاتے چلیے
آنے والوں کے لیے راہ بناتے چلیے
راہ میں آئے جو دیوار گراتے چلیے
ہم پہ کیوں شام و سحر کُفر کی یلغاریں ہیں
جس طرف دیکھیے اُٹھتی ہوئی تلواریں ہیں

۴۶

صاحبِ طنطنہ و طاقتِ بسیار غلط
رہنِ شاہی روشِ جُبہ و دستار غلط
رُعبِ طبل و علم و مسند و دربار غلط
قافلے ٹھیک ، مگر قافلہ سالار غلط
سارے کمزور ممالک میں یہ بیماری ہے
جس طرف دیکھئے شاہوں کی عمل داری ہے

۴۷

دل اسی تیرِ محبت سے ہے گھائل اپنا
خود ہی ہم اپنے ہیں کوئی نہیں قاتل اپنا
آپ ہی مثل ہیں ہم ، کون مماثل اپنا
کون ہے شاہ پرستی میں مقابل اپنا
کتنے اخبار لکھے کتنے جریدے لکھے
ہم نے شاہوں کی حکومت کے قصیدے لکھے

۴۸

سر سے عمامے دیئے بر سے قبائیں دی ہیں
غیر مشروط زمانے کی وفائیں دی ہیں
کتنی ماں بیٹیوں بہنوں کی ردائیں دی ہیں
پھر بھی شاہوں کی حکومت کو دُعائیں دی ہیں
خوب یہ اہلِ ستم مشقِ جفا کرتے رہے
اور ہم شومیٔ قسمت کا گلہ کرتے رہے

۴۹

فوجی آمر تھا تو جمہور کا راہی لکھا
بادشاہت تھی تو جمہور کی شاہی لکھا
بادشاہوں کے مصاحب کو سپاہی لکھا
ان کو ہر حال میں بس ظلِ الٰہی لکھا
یہ اولوالامر ہیں ہر حال میں وافی گویا
صرف قرآن ہے ان کے لیے کافی گویا

۵۰

سائلِ مسند و دربار ہی رکھنا ان کو
بادشاہت کا طرف دار ہی رکھنا ان کو
اس مصیبت میں گرفتار ہی رکھنا ان کو
یعنی بے یار و مددگار ہی رکھنا ان کو
آمریت کو سَروں سے نہ اُترنے دینا
دین کا اصل تشخص نہ اُبھرنے دینا

۵۱

ان کے افکار پہ شاہی کو مسلط رکھو
دستِ حاکم کی تباہی کو مسلط رکھو
ان جبینوں پہ سیاہی کو مسلط رکھو
وردیاں دے کے سپاہی کو مسلط رکھو
فکر کے دامنِ صد چاک کو سینے بھی نہ دے
وہ تسلط ہو کہ کمزور کو جینے بھی نہ دے

۵۲

طاقتِ جبر ہوئی جاتی ہے سب پر غالب
حکمرانی ہے عجم پر تو عرب پر غالب
بے سبب ہو گئی ہر ایک سبب پر غالب
بد نسب ہونے لگے نیک نسب پر غالب
ورنہ قرآن میں کچھ اور ہی افسانہ ہے
اکثریت ہے کہ جو عقل سے بیگانہ ہے

۵۳

جن کے اسلاف میں مروان ہوا کرتے ہیں
وہ تو ایسے ہی مسلمان ہوا کرتے ہیں
اُن کے پھر ویسے ہی اوسان ہوا کرتے ہیں
اور ہی زیست کے عنوان ہوا کرتے ہیں
سوچ کے مسئلے آسان کرادیتا ہے
نام خود ذات کی پہچان کرادیتا ہے

۵۴

عہدِ اسلام میں وہ شام کی پہلی شاہی
یعنی آغاز میں انجام کی پہلی شاہی
دین میں طاقتِ اصنام کی پہلی شاہی
ابوسفیان کے اسلام کی پہلی شاہی
نام اسلام کا لیتی ہے یہودی طاقت
یہ فریب آج بھی دیتی ہے سعودی طاقت

۵۵

اِسی شاہی سے ہیں وابستہ پناہیں ان کی
زعمِ کثرت نے بدل دی ہیں نگاہیں ان کی
سب کی راہوں سے جدا ہوتی ہیں راہیں ان کی
طاقت زر نے بنائی ہیں سپاہیں ان کی
ایک خاموش سی بیعت نظر آتی ہے یہاں
پھر وہی شام کی صورت نظر آتی ہے یہاں

۵۶

ناروا کو جو زمانے نے روا رکھا ہے
دستِ ناحق ہی میں ہر عہدِ وفا رکھا ہے
آج ہی پر نہیں موقوف سدا رکھا ہے
تم نے بیعت کو بھی اک کھیل بنا رکھا ہے
ہم حسینی ہیں یہاں ساتھ نہیں دے سکتے
ہر کسی ہاتھ میں ہم ہاتھ نہیں دے سکتے

۵۷

روزِ اوّل ہی سے انکار ہے بیعت سے ہمیں
آپ کے ذہن کی خود ساختہ جنّت سے ہمیں
سطوتِ شاہ سے ، جابر کی حکومت سے ہمیں
پیرِ فرتوت کی دم توڑتی طاقت سے ہمیں
قصرِ طاغوت کی بنیاد ہلائی ہم نے
دشت میں خون کی دیوار اُٹھائی ہم نے

۵۸

ضُعف جیسا ہو ، جہاں ہو ، وہ بُرا ہوتا ہے
جو بھی در بند ہو ، طاقت ہی سے وا ہوتا ہے
کوئی تنہا ہو زمانے میں تو کیا ہوتا ہے
جس کا کوئی نہیں ہوتا ہے ، خدا ہوتا ہے
دِل کو حاصل تھی جو مظلوم حُسینی طاقت
بن گئے وقت کی آقائے خُمینی طاقت

۵۹

پانچواں حصّہ ہیں دنیا کی جو آبادی کا
اُن پہ ہر ڈھنگ روا ہے ستم ایجادی کا
ہر گھڑی ایک نیا نقشہ ہے بربادی کا
انتظار اس لیے رہتا ہے ہمیں ہادی کا
ایسے بدلے گا زمانے کا قرینہ جیسے
ساری دُنیا ہو محمدؐ کا مدینہ جیسے

۶۰

خوش خبر ، خوش نظر و خوش روش و خوش اقدام
توسَنِ وقت کی ہر وقت ہے ہاتھوں میں لگام
نصب ہیں انفس و آفاق میں طاقت کے خیام
اس کے ہے زیرِ اثر جو ہے زمانے کا امام
اُس کی مُٹھی میں ہے سب ارض وسما کی طاقت
جس کی طاقت میں جھلکتی ہے خُدا کی طاقت

۶۱

نفرتیں ڈوبیں گی ، اُبھرے گی محبت اک دن
افقِ وقت سے چھٹ جائے گی ظلمت اک دن
وقت خود دے گا صداقت کی شہادت اک دن
ختم ہوجائے گی خود ظلم کی طاقت اک دن
زلزلے آئیں گے یوں ظلم کے ایوانوں میں
گر کے بُت ٹوٹیں گے طاقت کے صنم خانوں میں

۶۲

بدرِ کامل کی ہے اک ، اک مہِ نَو کی طاقت
باد و باراں میں کہیں برق کی رَو کی طاقت
کرُہِ آتشِ خورشید کی ضَو کی طاقت
دَرِ خیبر کو اُٹھالیتی ہے جَو کی طاقت
کچھ عجب جود و سخا کی ہیں روایات یہاں
روٹیاں عرش پہ قرآن کی آیات یہاں

۶۳

مطلعِ نظمِ سخن ، حُسنِ عقیدت ہیں بتولؑ
مسلک وَ مَعدنِ ایمان و شریعت ہیں بتولؑ
مُصحفِ عصمت و قرآنِ طہارت ہیں بتولؑ
مرکزِ دائرہِ اجرِ رسالت ہیں بتولؑ
نور ہیں ختمِ رُسُل ، نور کی تنویر ہیں یہ
سانس لیتی ہوئی قرآن کی تفسیر ہیں یہ

۶۴

دینِ اللہ کا ہے دین کی زینت ہیں بتولؑ
عورتوں کے لیے قندیلِ ہدایت ہیں بتولؑ
بہرِ تمثیلِ عمل دیں کی ضرورت ہیں بتولؑ
کوئی حجت نہیں ، بس ایک ہی حجّت ہیں بتولؑ
سیّدہ ہیں یہی کونین کی مختار بتولؑ
سارے عالم کی خواتین کی سردار بتولؑ

۶۵

اپنی یکتائی میں اک مظہرِ وحدت ہیں بتولؑ
جس سے میزان ہے قائم وہ عدالت ہیں بتولؑ
نصِ معصوم سے اک جزوِ نبوت ہیں بتولؑ
خود امامت کی قسم نفسِ امامت ہیں بتولؑ
دین کی اصل ہیں ، قدرت کی مشیّت زہراؑ
عرصۂ حشر میں خاتونِ قیامت زہراؑ

۶۶

کون ہے ان کا پدر کس کی ہیں دختر دیکھو
کیسے ہیں ان کے پسر ، کون ہے شوہر دیکھو
خاص ان پر کرمِ خالقِ اکبر دیکھو
جس گھرانے میں یہ پیدا ہوئیں ، وہ گھر دیکھو
بات سچّی ہے تو کہنے میں کوئی باک نہیں
یہ نہ ہوں خلق میں تو پنج تنِ پاک نہیں

— اصولِ دین

٦٧

خود بھی معصومہ ہیں ، شوہر بھی ہیں ان کے معصوم
باپ ہیں ختم رُسُل ، خلق کے پہلے معصوم
صرف بیٹے ہی نہیں بیٹوں کے بیٹے معصوم
چشم اِفلاک نے دیکھے نہیں ایسے معصوم
جن کے خادم ہیں فرشتے ، یہ وہ مخدومہ ہیں
گیارہ معصوموں کی ماں ہیں یہ وہ معصومہ ہیں

٦٨

ماں یہ ایسی ہیں کہ آغوش میں پلتے ہیں امام
بیٹی ایسی کہ پیمبر حصّہ جسے کرتے ہیں سلام
ہیں بہو اس کی ، جو ہے مُحسنِ دینِ اسلام
ان کے شوہر کی ولایت پہ ہوا دین تمام
نَسَب و اوجِ سعادت کا نشاں ہیں زہراؑ
بیٹے سردار ہیں ، خاتونِ جناں ہیں زہراؑ

٦٩

جن سے باقی ہے صداقت ، وہ صداقت یہ ہیں
جن سے پائی ہے فضیلت نے فضیلت یہ ہیں
جن سے اسلام ہے زندہ ، وہ شہادت یہ ہیں
ہر کڑے وقت میں نُصرت کی ضمانت یہ ہیں
جو سخن ان کی فضیلت میں ادا ہوتے ہیں
پوچھ لو آیۂ تطہیر سے کیا ہوتے ہیں

۷۰

ان کی تسبیح پہ ہوتی ہیں عبادات تمام
ان کے گھر اُتری ہیں قرآن کی آیات تمام
ان کی نسبت ہی سے ممتاز ہیں سادات تمام
ختم انہیں پر ہوئیں خالق کی عنایات تمام
نفسِ معصوم نے سب نفسوں سے اولیٰ کہہ کے
ان کے والی کو ، ولی کردیا مولا کہہ کے

۷۱

اپنے بابا کی طرح رطل گِراں ہیں زہراؑ
زندہ اسلام ہے ، اسلام کی جاں ہیں زہراؑ
منزلِ عصمت و عفّت کا نشاں ہیں زہراؑ
بیٹیاں زینبؑ و کلثومؑ ہیں ، ماں ہیں زہراؑ
راہِ معبود میں عبّاسؑ کو اپنا کہہ کر
حق وفادار کا سمجھا دیا بیٹا کہہ کر

۷۲

سب ہی کا راحتِ جاں ، سب کا سہارا عبّاسؑ
جوئے خوں بار میں ایثار کا دھارا عبّاسؑ
زورِ طوفان و تلاطم میں کنارا عبّاسؑ
بنی ہاشم کا قمر ، آنکھ کا تارا عبّاسؑ
کوئی ایمان میں اس طرح مکمل تو نہیں
غیرِ معصوم میں ، عبّاس سے افضل تو نہیں

۷۳

مہرِ افلاکِ وفا ہے بنی ہاشم کا قمر
ہوگا طاقت میں بھلا کیا کوئی اس کا ہم سَر
دودھ کس ماں کا پیا، کس کو نہیں اس کی خبر
فاطمہ زہراؑ نے خود جس کو کہا اپنا پسر
جو تمنائے دلِ غالبِ ہر غالب ہے
یہ وہ دل بند علیؑ ابن ابی طالبؑ ہے

۷۴

کیا لڑے گا کوئی اس پیاسے سپاہی کی طرح
ٹوٹ پڑتا ہے یہ دشمن پہ تباہی کی طرح
شیرِ شبیرؑ ہے، یہ شیرِ الٰہی کی طرح
اس کے دادا سے پڑی دین پناہی کی طرح
ہر زمانے میں اسی نسل کے نام آتے ہیں
جب بھی ہوتی ہے ضرورت یہی کام آتے ہیں

۷۵

اک سپاہی بھی ہے اور لشکرِ جرّار بھی ہے
یہ کبھی ڈھال بھی ہے اور کبھی تلوار بھی ہے
ورثۂ دارِ عَلَم، حیدرؑ کرّار بھی ہے
یہی شبیرؑ کے لشکر کا عَلَم دار بھی ہے
ایسا منصب کہیں دیکھا ہے کسی نام کے ساتھ
زیب دیتا ہے ''عَلَم دار'' اسی نام کے ساتھ

۷۶

کوئی عبّاسؑ سے بڑھ کر نہیں دنیا میں دلیر
اس کی ہیبت سے زبردست بھی ہوجاتے ہیں زیر
ہیں علیؑ شیرِ خدا کے تو علیؑ کا ہے یہ شیر
شاہ سے رن کی اجازت اسے ملنے کی ہے دیر
مشک کے پیچھے چھپی اپنی گذارش لے کر
مطمئن ہے وہ سکینہ کی سفارش لے کر

۷۷

لوحِ پیشانی پہ تحریر ہے عبّاسؑ کا حال
جوڑنا ہاتھوں کا کہتا ہے کہ جینا ہے وبال
دیدۂ نم کی فغاں ، اذن کا ملنا ہے محال
دل کا اصرار کہ شبیرؑ سے کیجے تو سوال
ہاتھ سے لختِ دلِ شاہِ مدینہ کے ملے
اذن عبّاسؑ کو صدقے میں سکینہؑ کے ملے

۷۸

مجھ پہ خالق کی ہوئی خاص عنایت آقا
کس کو ہوتی ہے نصیب ایسی سعادت آقا
میری خلقت کا سبب آپ کی نُصرت آقا
اب تو مجھ کو بھی ملے رن کی اجازت آقا
اپنی نظروں میں سبک آپ ہوں ، شرمندہ ہوں
سب مِرے سامنے مارے گئے ، میں زندہ ہوں

۷۹

آپ اگر چاہیں تو مشکل مِری حل ہو مولا
کب سے بے چین ہوں، کچھ تو مجھے کل ہو مولا
کچھ تو اس جنگ میں میرا بھی عَمل ہو مولا
میں بھی جی جاؤں میسّر جو اجل ہو مولا
آپ سے رن کی اجازت نہ اگر پاؤں گا
کس طرح حشر میں منہ بابا کو دکھلاؤں گا

۸۰

بولے شہؑ اذنِ وغا دیتے ہیں، کچھ غم نہ کرو
تم کو مرنے کی رضا دیتے ہیں، کچھ غم نہ کرو
حل بھی مشکل کا بتادیتے ہیں، کچھ غم نہ کرو
ہم بھی بابا کو صدا دیتے ہیں، کچھ غم نہ کرو
جب کبھی تم سے بچھڑنے کا سوال آتا ہے
ہم کو بابا کی ریاضت کا خیال آتا ہے

۸۱

کس ریاضت کا صلہ ہو، یہ تمھیں کیا معلوم
کن نمازوں کی جزا ہو، یہ تمھیں کیا معلوم
کتنے سجدوں کی عطا ہو، یہ تمھیں کیا معلوم
کتنی راتوں کی دُعا ہو، یہ تمھیں کیا معلوم
ہم تو خود بیٹھے ہیں دُنیا سے گذرنے کے لیے
کس طرح بھیج دیں بھائی، تمھیں مرنے کے لیے

۸۲

یہی مرضی ہے تمہاری تو یہ نیزہ لے جاؤ
بچے پیاسے ہیں ، بہت نہر سے پانی لے آؤ
پسرِ ساقیِ کوثر ہو زمانے کو بتاؤ
جام بھربھر کے کئی روز کے پیاسوں کو پلاؤ
اے مرے قوتِ بازو ، مرے بھائی ، عبّاسؑ!
چھین لو جاکے لعینوں سے ترائی عبّاسؑ!

۸۳

دستِ شبیرؑ سے تلوار جو پائی ہوتی
اور ہی کچھ مرے غازی کی لڑائی ہوتی
اپنے بابا کی طرح تیغ چلائی ہوتی
لشکرِ شام میں ہر سَمت دُھائی ہوتی
اَسَدُاللہ کی طاقت کا قرینہ ہوتا
ساحلِ مرگ پہ باطل کا سفینہ ہوتا

۸۴

گرچہ بے تیغ تھا شبیرؑ کا بھائی رن میں
پھر بھی طاقت کی وہ تصویر دکھائی رن میں
فوج پسپا ہوئی ، دی سب نے دہائی رن میں
سب کو یاد آگئی حیدر کی لڑائی رن میں
خوف سے رنگ اُڑے جاتے تھے بدکاروں کے
قبضے ہاتھوں سے چھُٹے جاتے تھے تلواروں کے

۸۵

آج بھی مشک و علم دونوں بہم ہوتے ہیں
نذر سقّے کی یہی مشک و علم ہوتے ہیں
نام تاریخ میں ان کے ہی رقم ہوتے ہیں
ایسے کردار زمانے کا بھرم ہوتے ہیں
سالِکِ مَسلکِ تسلیم و رضا ہیں عبّاسؑ
حشر تک خسروِ اقلیمِ وفا ہیں عبّاسؑ

۸۶

کوئی منصب ہو نہ جاگیر، نہ دربار ملے
سرفروشی کے لیے جذبہ انصار ملے
جو کبھی کم نہ ہو، وہ دولتِ ایثار ملے
سایۂ پرچمِ عبّاسؑ عَلَمدار ملے
اس کے پرچم تَلے جو نسل جواں ہوتی ہے
جُرأت و ہمت و طاقت کا نشاں ہوتی ہے

سلام

دل نے درِ حسینؑ کا سائل بنا دیا
اِس زندگی کو فخر کے قابل بنا دیا

بے مدحِ اہلِ بیتؑ مکمل نہیں تھا میں
اِس مدحِ اہلِ بیتؑ نے کامل بنا دیا

اس طرح اختیار کیا حق حسینؑ نے
باطل کے اختیار کو باطل بنا دیا

رُکتے تھے ایک ساتھ ، دھڑکتے تھے ایک ساتھ
ہر دل کو شہؑ نے اپنا سا اک دل بنا دیا

یہ صبر صِرف آلِ محمدؐ کا ظرف تھا
اپنی مصیبتوں کو فضائل بنا دیا

تقلیدِ اہلِ بیتؑ میں آساں تھی زندگی
یاروں نے جان بوجھ کے مشکل بنا دیا

باقرؔ کے بھی سلام کو مولا قبول کر
منظورؔ کو تو بانیٔ محفل بنا دیا

چھٹا مرثیہ عنوان **اُردو**

مطلع : جب ضیا بار ہوا مہرِ جہانِ اُردو

بند: ۸۸

تصنیف:۱۹۹۶ء

حُسینؑ مطلعِ دیں ہیں ، حُسینؑ مَقطعِ دیں
اَدَب نے بھی تو اَدَب سے کہا حُسینؑ حُسینؑ

ہر ایک صِنفِ سُخَن میں ہے کربلا موجود
سَلَام ، نَوحَہ ، غَزَل ، مَرثیہ حُسینؑ حُسینؑ

۱

جب ضیا بار ہوا مہرِ جہانِ اردو
ہر طرف پھیل گیا نام و نشانِ اردو
زمزمہ سنج ہوئے مرتبہ دانِ اردو
پھول برسانے لگے نطق و بیانِ اردو
حُسنِ اوصاف زمانے پہ عیاں کرنے لگے
حق ریاضت کا ادا اہلِ زباں کرنے لگے

۲

اس ریاضت سے کُھلے اور بھی جوہر اس کے
نظم کی بحروں میں بہتے ہیں سمندر اس کے
ہر سمندر کے شناور ہیں سخن ور اس کے
ہر جگہ اب تو زمانے میں بنے گھر اس کے
سب سے کم عمر ہے لیکن یہ جواں سال بھی ہے
دولتِ لفظ و معانی سے خوش اقبال بھی ہے

۳

فعل بھاشا سے لیے ، نام لیا تُرکی سے
فارسی سے لیں تراکیب ، مثل ہندی سے
اصطلاحات لیں سائینس کی انگریزی سے
کہیں سندھی سے لیا ، کچھ کہیں پنجابی سے
کام سب ہی سے ضرورت کے لیے ہیں اس نے
جام ہر دیس کی صہبا کے پیے ہیں اس نے

۴

اس کے حلقہ میں عرب اور عجم شامل ہیں
دیر والے ہی نہیں اہلِ حرم شامل ہیں
اہلِ فن ، اہلِ نظر ، اہلِ قلم شامل ہیں
اور سب ایک طرف ، دیکھیے ہم شامل ہیں
یہ جو کچھ سلسلۂ شعر و سخن رکھا ہے
کچھ تو ہم نے بھی بزرگوں کا چلن رکھا ہے

۵

شاعری حضرتِ خسرو کے زمانے سے چلی
پہلی تصنیف نے اردو کی اشاعت پائی
مرثیہ گوئی کی بنیاد دکن ہی میں پڑی
گولکنڈہ کا وہ باذوق جو حاکم تھا قُلی
مرثیہ پہلا کہا جس نے ، وہ شاعر تھا وُہی
شعر اک لاکھ لکھے جس نے وہ ماہر تھا وہی

۶

ابتدا مرثیہ گوئی کی دکن میں جو ہوئی
تھی جو مظلوم کی ہمدرد وہ آواز اُٹھی
ابتدائی تھا جو یہ دور ، تو مشکل تھی کڑی
اس زمانے کی غزل بھی کوئی ایسی تو نہ تھی
شعر معیار نہ تھا ، رسمِ عزا ہوتی تھی
مجلسوں میں پڑھے جاتے تھے ، بُکا ہوتی تھی

۷

مرثیے شاہوں کے لکھے گئے بہرِ اُجرت
آج کے دور میں ان کی ہے بھلا کیا وقعت
مرثیہ بن گیا موصوف کی لوحِ تربت
رفعتِ عقل کو پستی سے بھلا کیا نسبت
عہدِ جمہور نے شاہی کا بھرم توڑ دیا
خونِ مظلوم نے تاریخ کا رُخ موڑ دیا

۸

ہوتا تھا اپنے پرائے کی جُدائی کا جو غم
مرثیہ اہلِ عرب بھی کیا کرتے تھے رقم
کربلا والوں کے حق میں جو رُکا اُن کا قلم
مرثیہ پا نہ سکا مقصدِ اولیٰ کا حشم
مرثیہ کو شرفِ ذکرِ مُہذّب نہ مِلا
مرثیہ جس کا تھا حق دار، وہ منصب نہ ملا

۹

آلِ سفیان کی شاہی میں یہ ممکن بھی نہ تھا
شعرا لکھ نہ سکے مرثیۂ کرب و بلا
مِدحتِ آلِ محمدؐ پہ تھی قدغن گویا
وہی کہتا تھا جو مومن ہو فرزدق جیسا
مُنہ پہ حاکم کے پڑھا حق کا قصیدہ جس نے
حج کے مجمع میں کیا، جھوٹ کو رسوا جس نے

۱۰

مرثیہ اپنے تعارف کا نہیں تھا محتاج
لے نہ سکتا تھا مگر سارے زمانے سے خراج
اپنی مسموع صفت صنف کی رکھنی تھی جو لاج
رہا سرگشتۂ موضوع کہ پائے معراج
ظلم کے مدِّ مقابل تھا جو اقدامِ حسینؑ
مرثیہ لے کے چلا دوش پہ پیغامِ حسینؑ

۱۱

جیسی مطلوب تھی ، مل ہی گئی ویسی سرکار
ساری دنیا میں کہاں تھی کوئی ایسی سرکار
کیسے ممدوح ملے ، پائی ہے کیسی سرکار
مرثیہ خود بھی تو ویسا ہو کہ جیسی سرکار
کربلا کے جو شہیدوں کا بیاں ہونے لگا
مرثیہ مقصدِ اعلیٰ پہ عیاں ہونے لگا

۱۲

آبرو ، عاصی ، مسکین و گدا نے کیا کام
نصب دلی میں کیے مرثیہ گوئی کے خیام
فضلِ مولا سے ہوا فضلی کو حاصل وہ مقام
لکھی کربل کی کتھا جس سے کہ باقی رہا نام
مرثیہ ایک سکندر نے مُقدّس لکھا
شش جہت میں ہوا مقبول مُسدّس لکھا

۱۳

میر و سودا ہوئے راغب وہ تھا اندازِ کلام
اک امانی کہ ہوئے مرثیہ گوئی کے امام
تھی ضرورت کہ ہو معیار کا کوئی اقدام
نیک نیّت سے جو باندھے کوئی شاعر احرام
سرِ تہذیبِ سخن اور کوئی کیا ٹھہرے
مجتہد مرثیے کے حضرت سودا ٹھہرے

۱۴

ہاشم و باقر و آگاہ و عُلا و افضل
سب کے افکارِ جمیلہ سے بڑھا حُسنِ عمل
مرثیے کی جو دکھن نے رکھی خشتِ اوّل
لکھنؤ والوں نے تعمیر کیا تاج محل
تنگ راہوں سے نکل رَہ روِ منہاج ہوا
رفرفِ فکرِ رسا ، عازمِ معراج ہوا

۱۵

سندھ و پنجاب کی آغوش میں چلنا سیکھا
دکھنیوں میں یہ رہی خیر سے بچپن گذرا
تربیت دلی میں پائی تو لڑکپن نکھرا
لکھنؤ پہنچی تو تہذیب ، سلیقہ آیا
اور بھی نکھری نئی رُت جو سُہانی آئی
چشمِ بددور کہ اب اس پہ جوانی آئی

۱۶

اس جوانی کو ملا چاہنے والوں کا ہجوم
اتنے دل نذر ہوئے مچ گئی آفاق میں دھوم
اس سے آ آ کے لپٹنے لگے دنیا کے علوم
بزمِ اردو تھی کہ افلاک پہ جس طرح نجوم
ختم ہوتی نہ نبوّت تو صحیفہ آتا
وحی اردو میں لیے کوئی فرشتہ آتا

۱۷

دیکھتے دیکھتے ذی‌شان بنی ہے اردو
کھیت وہ بوئے کہ کھلیان بنی ہے اردو
کتنے افراد کی پہچان بنی ہے اردو
صرف پہچان نہیں ، جان بنی ہے اردو
سب زبانوں سے ملی حرف و بیاں میں پہنچی
ایک لشکر سے اٹھی ، سارے جہاں میں پہنچی

۱۸

سب ہی اِس کے ہیں ، تو یہ بھی تو کسی کی ہوگی
پھول کی گر نہیں ہوگی ، تو کلی کی ہوگی
غم کے احساس میں ساعت میں خوشی کی ہوگی
سب ہی تو چاہنے والے ہیں ، سبھی کی ہوگی
اس کا حلقہ ہے جہاں جھومتے قوّال بھی ہیں
اس کے ناموس میں حالؔی بھی ہیں ، اقبالؔ بھی ہیں

۱۹

سب سے خوش ہو کے یہ ملتی ہے خوش اخلاق ایسی
دل بھی سب ہی سے طلب کرتی ہے مُشتاق ایسی
خوبیاں اس میں سمٹ آئی ہیں عشّاق ایسی
جُفت دنیا میں نہیں جس کا کہیں طاق ایسی
لفظ متروک ہیں کم جن کو یہ رَد کرتی ہے
نئے الفاظ و معانی میں مدد کرتی ہے

۲۰

دلنشیں لفظ ہیں ، شیریں لب و لہجہ اس کا
کسی تحریر سے کم تَر نہیں انشا اس کا
حرکت میں برکت ہوتی ہے کہنا اس کا
حرف ساکت نہیں ہوتا کبھی پہلا اس کا
زندگی کی ہے علامت یہی حرکت اس کی
معنوی صرف و تصرّف میں ہے وسعت اس کی

۲۱

ایسا انشاء کہ لطافت کو کوئی کیا پہنچے
استعاروں کی بلاغت کو کوئی کیا پہنچے
نثرپاروں کی سلاست کو کوئی کیا پہنچے
اس کے شعروں کی فصاحت کو کوئی کیا پہنچے
کہیں تلمیح ہے ، تجنیس ہے ، تشبیہیں ہیں
کہیں تشبیب ہے ، تاریخ ہے ، تضمینیں ہیں

۲۲

خطِ تحریر کو دیکھو تو بڑا نستعلیق
دائرے حرفوں کے صورت گرِ افکارِ عمیق
ہر قلم‌کار کی تخلیق ہے حسبِ توفیق
شوشے الفاظ میں ہیں جیسے تراشیدہ عقیق
حرف پینتیس[۳۵] ہیں کُل جن سے یہ گُل‌کاری ہے
صادقین آج نہیں پھر بھی عمل‌داری ہے

۲۳

الف اردو میں ہے اللہ کا ایماں کی طرح
ب سے بارش ہے کسی رحمتِ باراں کی طرح
پ سے ہیں پنج تنِ پاک ، رگِ جاں کی طرح
ت سے تقدیس ہے تسبیح شماراں کی طرح
ٹ سے ٹوٹے ہوئے الفاظ بھی نازاں اس کے
ث سے ثابت ہے کہ سب ہی ہیں ثنا خواں اس کے

۲۴

ج سے جامۂ ہستی جسَدِ جاں کی طرح
چ سے ہے چاہ کسی چاہِ زنخداں کی طرح
ح سے حوّا ، بنی آدم کے لیے ماں کی طرح
خ سے خط ہائے عبارت خطِ ریحاں کی طرح
د سے درک ہو خود لوگ دبستاں بن جائیں
ڈ سے ڈرتے نہ ہوں، ڈھنگ کے انساں بن جائیں

۲۵

ذ سے ذہن و ذکا ، قوتِ پنہاں کی طرح
ر سے رشحاتِ قلم ، نظمِ بہاراں کی طرح
ڑ تو بس ڑ ہے کسی بے سر و ساماں کی طرح
ز سے ہیں زیر و زبر ، پیشِ زباں داں کی طرح
ژاژ خا ژ سے کہ ژولیدہ بیاں ہوتا ہے
س سے سانجھ سویرے کا سماں ہوتا ہے

۲۶

ش شبیّر کا ہے شاہِ شہیداں کی طرح
ص سے صاد ہے اک سورے کے عنواں کی طرح
ض سے ضیق میں دم ضعفِ ضعیفاں کی طرح
ط ہے طُرّۂ دستار فقیہاں کی طرح
ظ سے ظلم ہے ظاہر ، ابوسفیاں کی قسم
ع سے عشقِ علیؑ ، بوذرؓ و سلمانؑ کی قسم

۲۷

غ سے غیبتِ کبریٰ ، شبِ ہجراں کی طرح
ف سے ہے فارسی سعدی کی گلستاں کی طرح
ق سے چاروں ہیں قُل ، قالبِ قرآں کی طرح
ک سے کافِ کرم ، کارِ کریماں کی طرح
گافِ گُستاخ کو گفتارِ گریزاں کہیے
ل ، لَاحول وَلَا برسرِ شیطاں کہیے

۲۸

م سے ماہِ دو ہفتہ مہِ شعباں کی طرح
ن سے نعتِ نبیؐ نظمِ نفیساں کی طرح
و ، واسوخت میں ہے سوختہ ساماں کی طرح
ہ سے ہجرت ہے ، کسی صورتِ امکاں کی طرح
ی سے یوسفؑ ہیں جنہیں یوسفِ کنعاں کہیے
یائے مجہول کو اک کُلبۂ احزاں کہیے

۲۹

خوب سے خوب ہے ، ہر عیب سے عاری اردو
صورتِ حُسنِ بیاں ، رحمتِ باری اردو
ساری دنیا میں زبانوں پہ ہے جاری اردو
ہم ہیں اردو کے تو بےشک ہے ہماری اردو
ہے خبر سب کو کہ ہیں اور ہی خوبو والے
فخر ہے ہم کو کہ کہلاتے ہیں اردو والے

۳۰

سب سماجوں سے سماج اپنا الگ ہوتا ہے
کل الگ ہوتا ہے ، آج اپنا الگ ہوتا ہے
ہر زمانے میں رواج اپنا الگ ہوتا ہے
اہلِ اردو ہیں مزاج اپنا الگ ہوتا ہے
قد و قامت سے کہیں کم نہیں ہونے پاتے
منفرد رہتے ہیں ہم ، ضم نہیں ہونے پاتے

۳۱

ایمن و اشرف و ایجاد و اثر ، افسردہ
افسر و اوج و امانی و ادیب و اعلی
اُنس و اشک و اسد و اختر و ابنِ انشا
اَبد و اَطہر و اقبال و ارم ، آلِ رضا
آصف و آتش و آشفتہ اسیر اس کے ہیں
آرزو ، احسن و آزردہ ، امیر اس کے ہیں

۳۲

باقر و بیخود و بیدار و بقا بزم و بصیر
بیدل و برہمن و بیدم و باقی و بشیر
تقی و تابش و تنہا و تعشق ، تاثیر
درد و داغ و دل و دیوانہ و دلگیر و دبیر
شاہد و شیفتہ و شوخ و شباب اس کے ہیں
شورش و شوکت و شاداں و شہاب اس کے ہیں

۳۳

ذکی و ذوق و ظفر ، ضاحک و ذوقی و ضمیر
زاہد و ذاکر و زیدی و ذکا ، زہرہ ، ظہیر
قلی و قدرت و قائم ، قلق و قدر و قدیر
وحشت و وجد و وفا واقف و وحشی و وزیر
جرأت و جان و جلال و جگر و جوش اس کے
ہادی و ہجر و ہلال و ہوس و ہوش اس کے

۳۴

مونسؔ و ماہرؔ و مجروحؔ و محبؔ مہرؔ و منیرؔ
محشرؔ و محتشمؔ و مضطرؔ و ممنونؔ و مشیرؔ
نادمؔ و نادرؔ و نیرنگؔ و نظامیؔ و نظیرؔ
ناصرؔ و نظمؔ و نواؔ ، نصرتیؔ و نوحؔ و نصیرؔ
فانیؔ و فیضؔ و فغاںؔ فاخرؔ و فرماںؔ اِس کے
یکتاؔ ، یکرنگؔ ، یقیںؔ ، یاورؔ و یزداںؔ اِس کے

۳۵

راسخؔ و راقمؔ و رنگینؔ و روشؔ ، رشکؔ و رئیسؔ
سوزؔ و سجادؔ و سلیمانؔ و سخنؔ ، سیفؔ و سلیسؔ
ناطقؔ و ناظمؔ و ناسخؔ ، نظرؔ و نجمؔ و نفیسؔ
آسیؔ و افضلؔ و انشاؔ و ادبؔ ، انسؔ و انیسؔ
خُسروِ کِشور اردو تو انیسؔ آج بھی ہیں
سب ہیں انیسؔ مگر یہ ہیں کہ بیں آج بھی ہیں

۳۶

ان کو تسلیم کیا سب نے ، مُسَلَّم اتنے
سامنے ان کے کھلیں ، لفظ کے مَحرم اتنے
عظمت ان سے سخن کی ہے معظم اتنے
ان کے اشعار حکم بنتے ہیں محکم اتنے
صحت و حسن کے معیار کی حد ہوتا ہے
جو نکلتا ہے قلم سے ، وہ سند ہوتا ہے

۳۷

آب لفظوں کی تو مصرعوں کی روانی دیکھو
اک روانی ہی نہیں ، سیلِ معانی دیکھو
نفسِ مضموں پہ بھی اس کی ہمہ دانی دیکھو
ذکرِ شبیرؑ میں اعجاز بیانی دیکھو
بوترابی تھا ، ملی خاک سے رفعت اس کو
صاحبِ قولِ سلونی سے تھی نسبت اس کو

۳۸

قندِ شیریں دہناں جس کی سلاست ، وہ سلیس
سخنِ عرش مکاں جس کی ریاست ، وہ رئیسؔ
مطلعِ لطف زباں جس کی نفاست ، وہ نفیسؔ
مقطعِ حُسنِ بیاں جس کی بلاغت ، وہ انیسؔ
جس کے ہر حرف میں حکمت ہے، حکیم ایسا ہے
حاجتِ طور نہیں جس کو ، کلیم ایسا ہے

۳۹

گوہرِ نطق برستا ہوا آبِ نسیاں
وہ سلاست ، وہ روانی کہ ہو دریا کا گماں
آبِ کوثر سے وہ دھوئی ہوئی پاکیزہ زباں
دین ہے اس کی فصاحت ، تو بلاغت ایماں
ادب و شعر میں قرآن کی صورت ہے انیسؔ
مذہبِ مرثیہ گوئی کی شریعت ہے انیسؔ

۴۰

بات اب طول کی ہے جو ذرا طولانی ہے
رزمیہ نظموں میں شعروں کی فراوانی ہے
توسنِ وقت کی رفتار تو طوفانی ہے
تنگیٔ وقت کے احساس میں آسانی ہے
کاوشِ طول تو بےسود ہوا کرتی ہے
فرصتِ وقت تو محدود ہوا کرتی ہے

۴۱

طول نظموں میں ہے ایسا کہ کوئی حد، نہ شمار
رام چَندر کی کتھا دیکھو ہیں کتنے اشعار
ضرب دو، چار سو اَسّی کو جو دس سے دس بار
ایلیڈ میں بھی ہیں اشعار کوئی سولہ ہزار
طول اس درجہ سرا سر ہو، یہ اچّھا کب ہے
لمحہ ہفتہ کے برابر ہو، یہ اچّھا تب ہے

۴۲

اس لیے مرثیہ گویوں نے نکالی یہ سبیل
مرثیہ میں رہے جتنی بھی ہو ممکن تفصیل
وقت مجلس کا مناسب ہو بہ امر تسہیل
سر بسر حُسنِ سماعت ہو سماعت کی دلیل
کیفیت بزم کی بے چینی میں تبدیل نہ ہو
مرثیہ ہو، کسی عیّار کی زنبیل نہ ہو

۴۳

طول رکھنا تھا مناسب تو ہیں محدود اشعار
پھر بھی ہر مرثیہ ایپک (EPIC) کا ہے اعلیٰ شہہ کار
کربلا پوری کوئی نظم جو کرتا فن کار
شعر اس کے لیے کافی تھے فقط چند ہزار
مرثیہ گویوں نے لکھے ہیں ہزاروں اشعار
ایسے شاعر بھی تھے جو کہہ گئے لاکھوں اشعار

۴۴

ایک ہی نظم میں ہوتے جو مسلسل اشعار
بیسیوں عشروں میں ہوتا انھیں پڑھنا دشوار
آج تک مرثیہ خوانی کا جو باقی ہے وقار
ہے فقط حُسنِ توازن کی بدولت یہ بہار
ہو جو مطلوبِ سماعت ، وہ سخن اچھا ہے
سب سے جو دادِ ہُنر لے ، وہی فن اچھا ہے

۴۵

سنتے ہیں مرثیہ لکھا گیا ایسا بھی طویل
ایک ہزار آٹھ سو بندوں میں تھی جس کی تکمیل
سب شہیدوں کے کمالات کی اعلیٰ تمثیل
لیکن افسوس نہیں اب کہیں ممکن تحصیل
ہیں ضمیر آج نہ اُن کی یہ ریاضت باقی
رہ گئی ہے تو فقط ایک حکایت باقی

۴۶

مرثیہ گوئی کا اعزازِ تحیّر تھے ضمیرؔ
وہ مفکّر تھے کہ پندارِ تفکّر تھے ضمیرؔ
مرثیہ خوانی میں ایجادِ تغیّر تھے ضمیرؔ
تحت میں پڑھنے کا آہنگِ تدبّر تھے ضمیرؔ
مرثیے کو دیے وہ حسن و جمالِ تمثیل
مرثیہ ہو گیا ہم دوشِ کمالِ تمثیل

۴۷

اک نئی طرزِ ادا مرثیہ خوانوں کو ملی
اک وہی عہد نہیں ، سارے زمانوں کو ملی
ایک مرغوب صدا درد بیانوں کو ملی
گویا اک تازہ ہوا بند مکانوں کو ملی
نطق نے ایک نئی طرح کی قرأت پائی
مرثیہ خوانی کے آہنگ نے وسعت پائی

۴۸

وہی تاریخ کے کردار ، کہانی ہے وہی
عمر گزری ہے مگر اس پہ جوانی ہے وہی
مرثیہ خواں کی روش اب بھی پرانی ہے وہی
اک صدی بیت چکی ، مرثیہ خوانی ہے وہی
عجب انداز کا اک طرزِ بیاں ہے گویا
یعنی محرابِ سخن کی یہ اذاں ہے گویا

۴۹

داستاں ہی نہیں ہوتی ، تو بیاں کیا ہوتی
مسجدیں ہی نہیں ہوتیں تو اذاں کیا ہوتی
جسم تعمیر نہ ہوتے ، تو یہ جاں کیا ہوتی
اردو والے ہی نہ ہوتے تو زُباں کیا ہوتی
دم قدم ہے یہ ہمارا ہی کہ دم اِس کا ہے
ساری دنیا کی زبانوں میں بھرم اس کا ہے

۵۰

ہے انگوٹھی میں تمدّن کی زَبر جَد کی طرح
پس خیال اس کا رکھو دَیر میں معبد کی طرح
بعد ایمان کے کافِر نہ ہو مُرتد کی طرح
یاد ابجد بھی رکھو اپنے اب و جد کی طرح
مستقل غیر کی بو باس میں بس جاؤ گے
اس کو چھوڑا تو تشخّص کو ترس جاؤ گے

۵۱

اہل غیرت کی زباں ہے، تو ہے غیرت اس میں
شرم اس میں ہے، لحاظ اس میں، مروّت اس میں
بُردباری ہے ، شرافت ہے ، متانت اس میں
شدتِ مہر و محبت کی حرارت اس میں
ترکِ واجب کی طرح اس کا بھی کفّارہ ہے
یہ زُباں ہی نہیں ، تہذیب کا گہوارہ ہے

۵۲

اپنی محفل میں اسی شمع کو روشن رکھو
خوش نصیبی ہے سدا اس کو سُہاگن رکھو
ٹیکہ ماتھے پہ رکھو ، ہاتھ میں کنگن رکھو
لالی ہونٹوں پہ رکھو ، پنڈے پہ ابٹن رکھو
چاہنے والوں کی تقدیر بنادیتی ہے
مومنؔ و مصحفیؔ و میرؔ بنادیتی ہے

۵۳

روح کا ہے ، نہ کہیں روح کے قالب کا جواب
حُسنِ الفاظ کا ہے اور نہ مطالب کا جواب
نہ تو مطلوب کا ہے اور نہ طالب کا جواب
میرؔ کا ہے ، نہ کہیں اور ، نہ غالبؔ کا جواب
میرؔ تو میرؔ ہیں ، ارباب ادب پر غالبؔ
یہ اسد سے ہوئے غالبؔ تو ہیں سب پر غالب

۵۴

سیلِ اردوئے مُعلّٰی ہے کہ غالب کے خطوط
ڈیڑھ سو سال سے ویسے ہی ہیں ایسے مضبوط
گفتگو جیسے مُخاطب سے ہو ، اتنے مربوط
ان کے ہونے سے ہُوا ، طرزِ تکلّف کا سُقوط
یہ تصنّع کو محاکات بنا دیتے ہیں
خط کو یہ نصف ملاقات بنا دیتے ہیں

۵۵

حمد کرتی ہے یہ رب کی کہ ہے یکتا و اَحَد
جس کی تفہیم سے عاجز ہے زمانے کی خِرد
نعمتیں جس کی ہیں اتنی کہ شمار اور نہ حد
جس کا کوئی نہ ازل ہے ، نہ کوئی جس کا اَبَد
خالقِ دہر ہے وہ سارا نمود اُس کا ہے
جو عدم سے نہیں آیا ، وہ وجود اُس کا ہے

۵٦

کی مسلماں کی طرح خدمت اسلام اس نے
اسی میخانے سے بھر بھر کے پیے جام اس نے
نعت بس مدحِ پیمبر کو دیا نام اس نے
اور ممتاز ہوئی جب یہ کیا کام اس نے
کم جہاں سلسلۂ مدح و ثنا پاتی ہے
نعتیہ شعر یہ غزلوں میں بھی لکھواتی ہے

۵۷

کہیں عاجز نہیں تحریروں ، نہ تقریروں میں
ترجموں میں ، نہ صحیفوں کے ، نہ تفسیروں میں
اصطلاحات ، نہ قانون کی تعزیروں میں
کہیں بے بس نہیں خوابوں میں ، نہ تعبیروں میں
نعت گوئی کا مگر جب بھی سوال آتا ہے
اپنی کم مایگی کا اِس کو خیال آتا ہے

۵۸

مدح کیا اس کی ہو جو آپ ہو ممدوحِ خُدا
جس کی مدحت کے لیے عرش سے قرآں اُترا
جس کی تخلیق سے پہلے تھا وہ عالم ہو کا
جو ہوا خلق وہ بس اس کے ہی ہونے سے ہوا
جب مکیں ہی نہیں ہوتا ، تو مکاں کیا ہوتا
جب وہ ہستی ہی نہ ہوتی ، تو جہاں کیا ہوتا

۵۹

بحرِ رحمت ، کرم و جود کے دریا یہ ہیں
ساری دنیا ہے غلام ان کی ، وہ آقا یہ ہیں
جن کا ہمتا نہیں موجود ، وہ یکتا یہ ہیں
شاہِ لولاک ہیں ، تخلیق کا منشا یہ ہیں
کسی انسان نے پایہ تو یہ پایا بھی نہیں
ان کا ثانی ہو کہاں ، ان کا تو سایا بھی نہیں

٦٠

علم کا شہر محمدؐ ہیں تو ، پھر در ہیں علیؑ
وہ پیمبر ہیں تو پھر نفسِ پیمبر ہیں علیؑ
دین و دنیا میں محمدؐ کے برادر ہیں علیؑ
اور اُنہیں کے تو کمالات کے مظہر ہیں علیؑ
کس نے تعلیم کیے علم کے باب ایک ہزار
کس پہ ہر باب کُھلے ،علم کے باب ایک ہزار

۶۱

وہ اگر حق کے ولی ہیں ، تو ولی یہ بھی ہیں
وہ پیمبر ، تو پیمبر کے وصی یہ بھی ہیں
عالمِ نور میں جو وہ ہیں ، وہی یہ بھی ہیں
وہ گُلِ گلشنِ ہاشمؑ ، تو کلی یہ بھی ہیں
ایک ہی ذات کی آغوش کے پالے دونوں
ابوطالبؑ کی نگاہوں کے اُجالے دونوں

۶۲

جب سے قرآن پڑھا ، تب سے ولی کہتے ہیں
ذُوالعَشیرہ سے پیمبر کا وصی کہتے ہیں
حُکمِ خالق سے بہ تائیدِ نبیؐ کہتے ہیں
جو بھی جو ہوتا ہے ، ہم اس کو وہی کہتے ہیں
کہا معصوم نے جس روز سے اولیٰ ان کو
ہم بھی کہنے لگے اُس روز سے مولا ان کو

۶۳

ع ہے عینِ علی ، عینِ عبادت دیکھو
ابتدا کعبہ سے ، مسجد میں شہادت دیکھو
علم کے شہر کا در ہے ، درِ دولت دیکھو
قاضیِ باز و کبوتر ہے عدالت دیکھو
ایسی اک ضرب بھی وقتِ گزراں ٹھہری ہے
جو دو عالم کی عبادت سے گراں ٹھہری ہے

۶۴

ایسا عالم تو کوئی عالمِ امکاں لائے
جس سے خود علم بھی دستارِ فضیلت پائے
دولتِ حُسنِ یقیں اتنی میسّر آئے
لوکشف کہہ کے جو پردوں کو اُلٹتا جائے
منبرِ مسجدِ کوفہ پہ نظر جاتی ہے
اسی منبر سے سلونی کی صدا آتی ہے

۶۵

سارے عالم میں ہے مشہور انہیں کی سرکار
روٹیاں لینے مَلک آئے ہیں در پر کئی بار
اک زمانہ پہ ہُویدا ہے یہ اس گھر کا شعار
ایک روٹی کی جگہ بخش دیں اونٹوں کی قطار
جام قاتل کو دم تشنہ دہانی دے دیں
پیاسا لشکر بھی ہو دشمن کا ، تو پانی دے دیں

۶۶

بُت شکن ہاتھ جنہیں حق نے کہا ، دستِ خدا
کَرمَ اللہ کا ، نظروں کی عبادت چہرہ
وہ زباں جس سے تھا معراج میں خالق گویا
جس کا اللہ کے گھر میں ہوا جینا،مرنا
ایسے بندے کو بھلا دَہر میں کیا کہتے ہیں
ہنس کے بولے یہ نُصیری کہ خدا کہتے ہیں

۶۷

جیسا دنیا میں کوئی بھی نہیں ، ویسے ہیں علیؑ
چھینک بکری کی تھی دنیا جنہیں ، ایسے ہیں علیؑ
ایک بھی ویسا دکھاؤ ہمیں ، جیسے ہیں علیؑ
بزمِ اصحاب پیمبر ہو تو ، کیسے ہیں علیؑ
جیسے پتّوں میں کوئی پھول ہوا کرتا ہے
جیسے ''محسوس میں معقول''☆ ہوا کرتا ہے

۶۸

کوئی منزل ہو الگ سب سے انہیں کا ہے مقام
ہے وہی نہجِ بلاغت جو علیؑ کا ہے کلام
وصیِٔ ختم رُسل ، ہادیِٔ دیں ، پہلے امام
سب کمالات پہ یہ فخر محمدؐ کے غلام
ان کے اوصاف لکھے سوچ کے کچھ چھوڑ دیا
اور پھر کاتبِ قدرت نے قلم توڑ دیا

۶۹

چشمِ احساس کی قدرت کا مزہ آئے گا
کس قدر حُسنِ عقیدت کا مزہ آئے گا
نام لوگے تو محبّت کا مزہ آئے گا
دل سے لوگے تو قیامت کا مزہ آئے گا
جو کہا کرتے ہو ، پھر آج وہی کہہ ڈالو
شدتِ جوش سے اِک بار علیؑ کہہ ڈالو

☆بوعلی سینا کا قول

۷۰

جب زباں تذکرۂ آلِ عبا تک پہنچی
منقبت نام رکھا ، اہلِ خدا تک پہنچی
تھی وفا کیش ، تو اربابِ وفا تک پہنچی
مرثیہ پڑھتی ہوئی کرب و بلا تک پہنچی
ذکرِ مظلوم نے کیا عمرِ سعادت دے دی
کربلا نے سدا جینے کی بشارت دے دی

۷۱

اس نے دم سازیٔ مظلوم سے پایا ہے فراز
ذکرِ مظلوم نے پیدا کیے کیا سوز و گداز
ساری دنیا کی زبانوں میں ہے سب سے ممتاز
کربلا نے اسے اِک اور بھی بخشا اعزاز
اتنا سرمایۂ دیں اور کسی میں بھی نہیں
سخن اسلام پہ اتنا عربی میں بھی نہیں

۷۲

مجلسوں میں گئی اردو ، کُھلی قسمت اس کی
ذکر شبّیر سے بڑھنے لگی وقعت اس کی
رات دن ایسے بدلنے لگی حالت اس کی
ہوگئی کچھ تو دلوں پر بھی حکومت اس کی
ساتھ ذاکر کے معزز ہوئی ، منبر پہ گئی
ایک ہی در تھا سخی کا ، یہ اُسی در پہ گئی

۷۳

وہ ہماری ہی مجالس کا تھا اعلیٰ معیار
پاک و پاکیزہ فِضا ، بزم نَفاست آثار
سامعین ایسے کہ سب حُسنِ سماعت کا وقار
خوش سیر ، نیک قدم ، نیک مَنِش ، خوش اَطوار
نکتہ ہائے سخن و حُسنِ بیاں کو سمجھیں
چشم و ابرو کے اشاروں کی زباں کو سمجھیں

۷۴

جال افکار کے رشتوں سے وہ بُننے والے
وقت گُل گشت سخن پھولوں کو چُننے والے
ایک اِک لفظ پہ سر اپنا وہ دھُننے والے
اب نہ موجود وہ ذاکر ہیں ، نہ سننے والے
وہ سخن فہم زمانے میں کہاں باقی ہیں
آج بھی جن کی سماعت کے بیاں باقی ہیں

۷۵

شعر لوگوں کی توجہ کا ہدف رہتا تھا
بیت بازی ہی سے دن رات شغف رہتا تھا
شوقِ اردو تھا کہ دیوان بکف رہتا تھا
اِک ادب تھا کہ جو معیارِ شرف رہتا تھا
دیتے تھے دادِ ہنر شکرگزاروں کی طرح
مرثیے حفظ تھے قرآن کے پاروں کی طرح

۷۶

واقفِ رسمِ عزاء کارِ محرّم میں شریک
بن کے نوحے کی صدا ہے صفِ ماتم میں شریک
ہے ہر اِک حال میں ہر دیدۂ پُرنم میں شریک
سب زبانوں سے زیادہ ہے یہ اس غم میں شریک
نہ تو غزلوں کی طرح اور نہ قصیدوں کی طرح
کارِ تبلیغ کیا عَجَم کے نوحوں کی طرح

۷۷

ایک مجلس ہوئی معصوم کے گھر میں برپا
جس میں دعبل نے پڑھا مرثیہ آلِ عبَا
بی بیاں گھر کی پسِ پردہ تھیں مصروفِ بُکا
کہتے تھے سیّد سجّادؑ کہ ہَے ہے بابا
مرثیہ گو سَرِ منبر تھا، بیاں عرش پہ تھا
اور امام اپنے زمانے کا اُسی فرش پہ تھا

۷۸

محو ہوگی نہ زمانے سے یہ رودادِ اَلَم
حشر تک ہوتا رہے گا یونہی شبیرؑ کا غم
مرثیے لکھتے رہیں گے یونہی اربابِ قلم
یہ تو وہ غم ہے جو ہے دل کے صحیفوں پہ رقم
اس کی تدریج میں دستورِ وفا شامل ہے
اس کی ترویج میں زہراؑ کی دُعا شامل ہے

۷۹

کربلا میں جو بپا ہے ، وہ قیامت دیکھو
سب سے کم عمر مجاہد کی ، وہ نصرت دیکھو
باپ کے ہاتھوں پہ بچے کی شہادت دیکھو
ارضِ مقتل پہ وہ اک ننھی سی تربت دیکھو
صبر و ایثار کی اک آخری منزل ہے یہ قبر
جسمِ گیتی میں دھڑکتا ہوا اک دل ہے یہ قبر

۸۰

گلشنِ فاطمہؑ زہرا کی وہ نوخیز کلی
جنگِ عاشور کا فاتح ، وہ سعیدِ ازلی
مصحفِ ناطقِ معصوم کا اک حرفِ جلی
سب سے چھوٹا ہی سہی ، ہے تو اِسی گھر کا علیؑ
آج تک چشمِ تصور کو بھی حیرانی ہے
کربلا یہ تری سب سے بڑی قربانی ہے

۸۱

دین کا کام سرانجام کیا ہے اس نے
اوج پہ پرچمِ اسلام کیا ہے اس نے
عام شبیرؑ کا پیغام کیا ہے اس نے
باپ دادا کا بڑا نام کیا ہے اس نے
اور اِک فضل ہے ، اَفضالِ ابوطالبؑ میں
فخرِ اسلاف ہے یہ آلِ ابوطالبؑ میں

۸۲

اس نے جب راہِ شہادت میں شہادت پائی
گھر میں شبیرؑ، کے اک اور قیامت آئی
ماں کو تقدیر نے ہر منزلِ غم دکھلائی
گود ویراں ہوئی، جھولے میں اُداسی چھائی
اپنے سینے سے تصوّر میں لگاتی ہے کبھی
اور خیالوں میں اُسے جھولا جھلاتی ہے کبھی

۸۳

کبھی جھولے میں نظر کی، کبھی دیکھی آغوش
کبھی چلّائی، کبھی ہوگئی گُم سُم، خاموش
روتے روتے کبھی اصغرؑ کو، ہوئی ہے بےہوش
جاں‌ستاں بارِ غمِ اصغرِؑ ناداں بردوش
غش میں رہتی ہے کبھی ہوش میں آجاتی تھی
چین دن کو نہ اسے رات کو نیند آتی تھی

۸۴

وہ تھی اور زندگی بھر اصغرِؑ معصوم کی یاد
آہ کی دل نے، کبھی آئی لبوں پر فریاد
گھر بھی آباد تھا اور گود بھی جس سے آباد
ہائے وہ بچھڑا تو سب کچھ ہی ہوا ہے برباد
اپنے پہلو میں جو اصغرؑ کو نہیں پاتی ہے
مامتا بےبس و بےآس تڑپ جاتی ہے

۸۵

دشت کی دھوپ میں واں سوتا ہے اصغرؑ معصوم
مستقل قید ہے زنداں میں سکینہؑ مظلوم
کتنی مدّت رہی ماں دھوپ میں کیا ہو مرقوم
زندگی بھر رہی ان دونوں کے غم میں مغموم
جان بچوں کے لیے شام و سحر کھوتی تھی
کبھی اِس کے، تو کبھی اُس کے لیے روتی تھی

۸۶

جب کوئی کہتا کہ کچھ دیر تو سائے میں رہو
سختیاں دھوپ کی اس جانِ حزیں پر نہ سہو
سیلِ اشکِ غم جاں کاہ میں اتنا نہ بہو
کب سے چپ بیٹھی ہو، لب کھولو ذرا، کچھ تو کہو
وہ یہ کہتی تھی کہ اصغرؑ بھی مِرا دھوپ میں ہے
اور سکینہؑ کی بھی تربت بخدا دھوپ میں ہے

۸۷

جہاں سوتی ہے سکینہؑ، مِرے گھر کی زینت
دھوپ سر پر ہے، نہیں شام کے زنداں پہ چھت
دشت کی دھوپ میں اصغرؑ کی مِرے ہے تربت
یوں مِرے دل کو میسّر نہیں ہوتی راحت
دھوپ میں وہ ہیں، تو مَیں چین کہاں پاؤں گی
مَیں بھی اب دھوپ سے سائے میں نہیں جاؤں گی

۸۸

اپنے معصوموں کو دل سے نہ بھلایا اک دن
راس سایہ تو کبھی ماں کو نہ آیا اک دن
ہائے تقدیر نے یہ وقت دکھایا اک دن
دھوپ سے ماں کو جو اصغرؑ کی اٹھایا اک دن
ایک بیمار یہ لے کر غمِ تازہ اٹّھا
ماں نہیں اٹّھی مگر ماں کا جنازہ اٹّھا

ساتواں مرثیہ عنوان گھر

مطلع : لایقِ شُکر ہے ہر حال میں نعمَت گھر کی

بند: ۸۴

تصنیف: ۱۹۹۷ء

ظُلمَت سے جو آثار سَحَر میں آئے
اک حلقۂ اربَابِ نَظَر میں آئے
مانوس تھی یوں منبر و مجلس کی فضا
بیٹھے تو لگا کہ اپنے گَھر میں آئے

۱

لایقِ شکر ہے ہر حال میں نعمت گھر کی
ساعتِ راحت و آرام ہے ساعت گھر کی
گھر کے لوگوں سے بڑھا کرتی ہے وقعت گھر کی
ناز بن جاتی ہے تاریخ کا حُرمت گھر کی
گھر کے افراد ہی جب وجہِ شرف بنتے ہیں
تب کہیں یثرب و بطحا و نجف بنتے ہیں

۲

گھر میسّر ہو تو لازم ہے تشکّر گھر کا
خوب ہے گھر سے بھی اچھا ہو تاثّر گھر کا
حَدِ اخلاق میں جائز ہے تفاخر گھر کا
مگر اچھا نہیں ہوتا ہے تکبّر گھر کا
اہلِ دنیا ذرا اِس بات کو کم جانتے ہیں
خاک ساری میں جو رفعت ہے، وہ ہم جانتے ہیں

۳

چین پاتا ہے جہاں دل اُسے گھر کہتے ہیں
جہاں مشکل نہ ہو مشکل ، اُسے گھر کہتے ہیں
ہو جو اِقدار کا حامل ، اُسے گھر کہتے ہیں
ہو جہاں عشرتِ منزل ، اُسے گھر کہتے ہیں
گھر میں ہوتا ہے سدا شام و سحر کا آرام
حدِ راحت ہے جسے کہتے ہیں ''گھر کا آرام''

۴

جس میں بنتی ہے قرابت ، وہی گھر ہوتا ہے
جس میں ملتی ہے وراثت ، وہی گھر ہوتا ہے
جس میں رہنا ہے سعادت ، وہی گھر ہوتا ہے
جس میں بڑھتی ہے محبّت ، وہی گھر ہوتا ہے
جس میں اخلاص ہو واجب ، اُسے گھر کہتے ہیں
جس میں ہو حفظِ مراتب ، اُسے گھر کہتے ہیں

۵

ہر اک انسان کو ہوتی ہے ضرورت گھر کی
گھر کے افراد پہ واجب ہے حفاظت گھر کی
گھر میں رہنے سے جو ہوجاتی ہے عادت گھر کی
اسی عادت سے پنپتی ہے محبت گھر کی
گھر کی اُلفت سَببِ حُبِّ وطن ہوتی ہے
عندلیبوں ہی سے تزئینِ چمن ہوتی ہے

۶

جس میں دیوار ہو ، در ہو ، اُسے گھر کہتے ہیں
شام ہو جس میں ، سحر ہو ، اُسے گھر کہتے ہیں
جس میں اُلفت کا شجر ہو ، اُسے گھر کہتے ہیں
جس کی شاخوں پہ ثمر ہو ، اُسے گھر کہتے ہیں
جانتے بھی ہیں کہ گھر ماں کا ہے یا باپ کا ہے
پھر بھی مہمان سے کہتے ہیں کہ گھر آپ کا ہے

۷

راہِ تاثیر و اثر ہے ، جسے گھر کہتے ہیں
اک گذر گاہِ خبر ہے ، جسے گھر کہتے ہیں
ایک اندازِ نظر ہے ، جسے گھر کہتے ہیں
تربیت گاہِ بشر ہے ، جسے گھر کہتے ہیں
گھر ہے اقدار کا سانچہ ، جہاں ڈھلتے ہیں مزاج
گھر بدلتا ہے تو لوگوں کے بدلتے ہیں مزاج

۸

وہی جنت تھی جو انسان کا پہلا گھر تھا
کوئی تکلیف نہیں تھی ، بہت اعلیٰ گھر تھا
جس سے اچھا نہیں ممکن ہے وہ اچھا گھر تھا
مثل جس کی نہیں دنیا میں وہ ایسا گھر تھا
وہ جو فردوس کے پائے تھے ، قبالے بھی گئے
پھر ہوا یوں کہ اُسی گھر سے نکالے بھی گئے

۹

ذہنِ تاریخ میں ہے گھر کا تصوّر کب سے
جب سے خلقت ہوئی آدم کی یقیناً تب سے
گھر جو جنّت میں ملا رہنے کو اپنے رب سے
وار دشمن نے بھی کاری کیا ایسے ڈھب سے
زندگی کو یہ نیا درد کا احساس ملا
ہجر حوّا کا ہوا ، رہنے کو بن باس ملا

۱۰

یوں ہوئی خُلد سے انسان کی پہلی ہجرت
دیر کچھ بھی نہ لگی ، ہوگئی فوری ہجرت
اختیاری تو نہ تھی ، صاف تھی جبری ہجرت
اچھّی کب حضرتِ آدمؑ کو لگی تھی ہجرت
سننے والا ہی نہ تھا ، سلب تھی گویائی بھی
گھر میں گھر والی نہ تھی ، مونسِ تنہائی بھی

۱۱

کچھ ضرورت سے بھی ہو کم کہ زیادہ گھر ہو
تنگ مفلس کی طرح ہو کہ کُشادہ گھر ہو
بیچ جنگل میں ہو یا برسَرِ جادہ گھر ہو
سنگِ مَرمَر سے منقّش ہو کہ سادہ گھر ہو
بزمِ ہستی میں ہے ہر اک کو ضرورت گھر کی
بستیاں بستی ہیں دُنیا میں بدولت گھر کی

۱۲

گھر ہیں پربت پہ کہیں زیرِ زمیں ہوتے ہیں
ہیں انگوٹھی میں بھی گھر جن میں نگیں ہوتے ہیں
نہیں ہوتے ہیں کہیں اور کہیں ہوتے ہیں
وہ بھی ہیں جن کے کہ گھر بار نہیں ہوتے ہیں
موت آجائے انہیں یہ تو مقدّر بھی نہیں
لوگ زندہ بھی ہیں ، رہنے کو کوئی گھر بھی نہیں

۱۳

مہرباں کا ، ستم ایجاد کا گھر ہوتا ہے
صید کا ہوتا ہے ، صیاد کا گھر ہوتا ہے
کفر کا ہوتا ہے ، الحاد کا گھر ہوتا ہے
گھر ہے مقتول کا ، جلّاد کا گھر ہوتا ہے
سببِ صورتِ امکاں بھی ہے گھر کی صورت
جوشِ وحشت میں بیاباں بھی ہے گھر کی صورت

۱۴

گھر بدی کے بھی ہیں، نیکی کے بھی گھر ہوتے ہیں
گھر ہیں خشکی کے بھی ، پانی کے بھی گھر ہوتے ہیں
شیشے کے، سنگ کے، لکڑی کے بھی گھر ہوتے ہیں
کپڑے کے، پھوس کے، مٹّی کے بھی گھر ہوتے ہیں
کتنا محفوظ ہے ، مضبوط ، نرالا گھر ہے
تارِ ریشم سے بنا ، مکڑی کا جالا گھر ہے

۱۵

گھر کا آنگن ہو جہاں دھوپ بھی آئے جائے
ہوں جہاں دولتِ دنیا پہ بھی دیں کے سائے
دل کسی کا نہ کہیں گھر سے بگڑنے پائے
گھر کا بھیدی ہی تو ہوتا ہے جو لنکا ڈھائے
جس میں کچھ بس نہیں چلتا ہے وہ گھر جبر کا ہے
آخری گھر ہے جو دنیا میں وہ گھر قبر کا ہے

۱۶

بزمِ اَفلاک میں ہے شمس و قمر کی زینت
نظمِ اوقات میں ہے شام و سحر کی زینت
رِشتے ناتوں سے ہوا کرتی ہے گھر کی زینت
ماں ، بہن ، بھائی ، پسر اور پدر کی زینت
بات تو یہ ہے مکینوں سے مکاں بنتا ہے
بستیوں ، شہروں ، محلّوں سے جہاں بنتا ہے

۱۷

چاند کے گِرد جو ہے نور کا ہالہ گھر ہے
آبِ باراں کو تو برسات کا نالہ گھر ہے
کوئی نیچا تو کوئی سیڑھیوں والا گھر ہے
نسلِ آدم میں تو ہر اک کا حوالہ گھر ہے
ضبطِ تحریر میں کچھ حد سے سِوا گھر کا ہے
نام کے ساتھ بھی دیکھو تو پتا گھر کا ہے

۱۸

گھر ہے عینک کا بھی ، تلوار کا گھر ہوتا ہے
گھر ہے اپنوں کا بھی ، اغیار کا گھر ہوتا ہے
گھر ہے غافل کا بھی ، ہُشیار کا گھر ہوتا ہے
گھر ہے محکوم کا ، سردار کا گھر ہوتا ہے
اور منعم کا ہے گھر ، اور ہے مزدور کا گھر
جلوۂ نور کی منزل ہو تو ہے طور کا گھر

۱۹

راہ میں راہ نما ، راہ گذر کی باتیں
اچھّی لگتی ہیں مسافر کو سفر کی باتیں
ہوتی رہتی ہیں اِدھر اور اُدھر کی باتیں
دل میں گھر کرتی ہیں ، ہوتی ہیں جو گھر کی باتیں
خستہ تن راحت و آرام کو گھر آتا ہے
صُبح کا بھولا ہوا ، شام کو گھر آتا ہے

۲۰

دل میں شاگرد کے اُستاد کا گھر ہوتا ہے
ساتھ رہتا ہے تو ہم‌زاد کا گھر ہوتا ہے
داد کا ہوتا ہے ، بےداد کا گھر ہوتا ہے
شہرِ امکاں میں تو اُفتاد کا گھر ہوتا ہے
گھر ہو ویران تو جنّات کا مسکن بن جائے
بھری آبادی میں موجود ہو اور بَن بن جائے

۲۱

گھر پہ قبضہ کبھی جنّات کا سنتے ہیں کہیں
سلسلہ لُطف و عنایات کا سُنتے ہیں کہیں
دردِ سَر اک ہمہ اوقات کا سنتے ہیں کہیں
کبھی دستورِ مواخات کا سنتے ہیں کہیں
کہیں افلاس کی راہیں نہیں رہنے پاتیں
کہیں لوگوں کی پناہیں نہیں رہنے پاتیں

۲۲

اثر آسیب و طلسمات کا ہوجاتا ہے
رہتے بستے گُزر آفات کا ہوجاتا ہے
فرق ماحول میں دن رات کا ہوجاتا ہے
کچھ بتنگڑ بھی کبھی بات کا ہوجاتا ہے
پھر تحیّر کے کمالات دکھانے کے لیے
پیر آتے ہیں کرامات دکھانے کے لیے

۲۳

کشتِ اُلفت کا شجر ہے، جسے گھر کہتے ہیں
رامشِ قلب و نظر ہے، جسے گھر کہتے ہیں
بہتر از لعل و گُہر ہے، جسے گھر کہتے ہیں
رہنے والوں کا اثر ہے، جسے گھر کہتے ہیں
بات ہر گھر کی، محلّے کی جدا ہوتی ہے
جیسے ہوتے ہیں مکیں، ویسی فضا ہوتی ہے

۲۴

فرض کے ساتھ ہی تعقیب کے گھر ہوتے تھے
کُفر و الحاد کی، تکذیب کے گھر ہوتے تھے
حُسنِ اخلاق کی ترغیب کے گھر ہوتے تھے
وہ ہمارے تھے، جو تہذیب کے گھر ہوتے تھے
گھر کے لوگوں میں محبّت تھی تو گھر جنّت تھے
اسی دنیا میں تھے موجود مگر جنّت تھے

۲۵

کب نظر آتے ہیں جو تھے جدواب کے آداب
اب نہیں ملتے حسب اور نسب کے آداب
بدلے سب، مہر و وفا، غیظ و غضب کے آداب
اور ہی ہوتے تھے اربابِ ادب کے آداب
کیوں اُن اِقدار کا مظہر نہیں رہنے دیتے
جس میں رہتے ہیں، اُسے گھر نہیں رہنے دیتے

۲۶

ساکھ ہوتی ہے گھروں کی بھی، بھرم ہوتا ہے
ایک اِک حرف محبّت کا رقم ہوتا ہے
عیش و عشرت بھی بہم، غم بھی بہم ہوتا ہے
جتنا اِظہارِ محبت ہو، وہ کم ہوتا ہے
پاس رشتوں کا ہو، گھر کا ہو، تو گھر بنتا ہے
ساتھ رہنے کا سلیقہ ہو، تو گھر بنتا ہے

۲۷

گھر کی تہذیب ہے گھر والوں کے کردار کا نام
زندگی ساتھ بسر کرنے کے اطوار کا نام
جو زمانے سے مرّوج ہیں ان اقدار کا نام
گھر نہیں ہوتا ہے خالی در و دیوار کا نام
گھر پہ گھر والوں کی طینت کا اثر ہوتا ہے
جس میں خوبو ہو مکینوں کی وہ گھر ہوتا ہے

۲۸

جس میں ایثار کی دولت نہ ہو ، وہ گھر کیسا
جس میں ہر فرد کی عزت نہ ہو ، وہ گھر کیسا
جہاں آپس میں مروّت نہ ہو ، وہ گھر کیسا
پھول سے بچّوں پہ شفقت نہ ہو ، وہ گھر کیسا
کشتیٔ زیست کا لنگر نہیں کہتے اُس کو
جہاں اخلاص نہ ہو ، گھر نہیں کہتے اُس کو

۲۹

گھر کے لوگوں کی رَوِش گھر کا چلن بنتی ہے
پُختہ ہوجائے تو اک رَسمِ کُہن بنتی ہے
اچھّی ہوتی ہے تو ناموسِ وطن بنتی ہے
ورنہ تاریخ کے ماتھے کی شِکن بنتی ہے
وقت کے ساتھ حکایات جنم لیتی ہیں
اِس روش ہی سے روایات جنم لیتی ہیں

۳۰

ہر قبیلے کے جدا ، نام و نسب کے آداب
کوئی رکھتا ہے عجم ، کوئی عرب کے آداب
دن کے آداب الگ ، اور ہیں شب کے آداب
لائقِ فکر و نظر ہوتے ہیں سب کے آداب
قلبِ باطل میں نظر آتا ہے شیطان کا گھر
دل میں ایماں ہو تو دل ہوتا ہے رحمان کا گھر

۳۱

قصرِ باطل میں ہمارا ہی لہو شامل ہے
شہ رگِ حق سے بہا ، خونِ گلو شامل ہے
روشِ ظلم میں اک نسل کی خو شامل ہے
وہ عداوت ہے کہ اولادِ عدو شامل ہے
سولیاں ہم کو ہی دی جاتی تھیں بازاروں میں
ہم ہی تو زندہ چُنے جاتے تھے دیواروں میں

۳۲

ہم مگر حق و صداقت کے عَلَمدار رہے
جو بھی مظلوم ہوا ، اُس کے طرف دار رہے
گو بہت سب کی نگاہوں میں گنہ گار رہے
اُلفتِ آلِ محمدؐ میں گرفتار رہے
بادِ صرصر نے بہت گُل کیے اِس گھر کے چراغ
بجھ نہیں پائے مگر اُلفتِ حیدر کے چراغ

۳۳

دل میں جو آلِ محمدؐ کی وِلا رہتی ہے
گھر وہی گھر ہیں ، جہاں بوئے وفا رہتی ہے
شرم باتوں میں تو آنکھوں میں حیا رہتی ہے
اُس کو دیکھو جو یہاں خلقِ خدا رہتی ہے
جو تصوّر ہے بزرگوں کی ودیعت لینا
گھر کا مغرب میں تصوّر جو ہے ، وہ مت لینا

۳۴

اب بھی اچھّے ہیں اگر کچھ تو تمہارے گھر ہیں
پیار ہی پیار ہے جن میں ، یہ وہ پیارے گھر ہیں
روشنی دیتے ہیں یہ ایسے منارے گھر ہیں
صرف گھر ہی نہیں ، مکتب ہیں ، ادارے گھر ہیں
جس کے حق دار ہیں وہ حُرمت و عزت رکھے
اِن گھروں کو سدا اللہ سلامت رکھے

۳۵

یہ جو کچھ آلِ محمدؐ سے ہے نسبت باقی
اِسی نسبت سے تو ہے نفسِ طہارت باقی
ہے تمہارے ہی گھروں میں وہ متانت باقی
جس متانت سے ہے نسلوں کی شرافت باقی
سب اِسی گھر کا ہے یہ فیض جو ملتا ہے تمہیں
فخر جتنا کرو اِس بات پہ ، زیبا ہے تمہیں

۳۶

آپ مجلس میں جہاں بیٹھے ہیں☆ ، یہ بھی گھر ہے
اہلِ دنیا کا ہے اور خیر سے دینی گھر ہے
ہے درِ علم سے نسبت ، تو یہ علمی گھر ہے
ارضِ باطل پہ ہے ، لیکن یہ حُسینی گھر ہے
حق کی راہوں پہ یہاں بیٹھ کے چلنا سیکھو
خود تو بدلے ہو ، زمانے کو بدلنا سیکھو

☆ ادارۂ جعفریہ، میری لینڈ، امریکا

۳۷

غار کے لوگوں کی تاریخ میں قطمیر کا گھر
جورِ حاکم سے بچے ، ڈھونڈھا جو تدبیر کا گھر
عام سا غار ، نہیں ہے فنِ تعمیر کا گھر
خوش نصیبی سے وُہی بن گیا تقدیر کا گھر
کتنی صدیوں سے اِسی غار میں وہ خفتہ ہیں
سورۂ کہف بھی شاہد ہے کہ وہ زندہ ہیں

۳۸

ڈھب ہر اک گھر کا الگ ، ڈھنگ جُدا ہوتا ہے
مٹّی ہوتی ہے جُدا ، سنگ جُدا ہوتا ہے
آہن و زنگ جُدا ، رنگ جُدا ہوتا ہے
نوحے کا ، نغمے کا آہنگ جُدا ہوتا ہے
شعر کے باب میں ہم بات اٹل کہتے ہیں
شعرِ تر ہو ، تو اُسے بیتِ غزل کہتے ہیں

۳۹

مجھ کو گھر بیٹھے ملی ، دولتِ افکارِ سخن
میرے شعروں سے بڑھی ، گرمیٔ بازارِ سخن
نظر آنے لگے ہر سمت خریدارِ سخن
ذکرِ مولا سے بڑھا اور بھی معیارِ سخن
علم کے در سے جو لپٹی ہے جماعت ، دیکھو
آؤ مجلس کا مِری حُسنِ سماعت دیکھو

۴۰

ہیں جو ناواقفِ آدابِ عزائے مظلوم
وہ ہیں بیگانۂ غم ، اُن کو بھلا کیا معلوم
دشمنِ آلِ محمدؐ ہیں سدا کے محروم
میں نے دیکھی ہے کتابوں میں حدیثِ معصوم
دَر سخی کا ہے ، تو ہر اِک کا بھلا ہوتا ہے
بیت پر بیت کا انعام عطا ہوتا ہے

۴۱

خوب ہیں آب و ہوائے گُل و گلزارِ سخن
سامنے میرے کُھلے رہتے ہیں اَسرارِ سخن
سَر پہ سجنے لگا اب طُرّۂ دستارِ سخن
زیب دیتا نہیں لیکن کوئی پندارِ سخن
سَہل جو قدرتِ قرطاس و قلم ہے مجھ پر
شکر کرتا ہوں کہ مولا کا کرم ہے مجھ پر

۴۲

میرے حالات میں مشکل تھا بہت کارِ سخن
پھر بھی دیکھو تو مِری "لذتِ گفتارِ☆ سخن"
ہاتھ آئی ہے مِرے دولتِ بیدارِ سخن
مجھ کو مفلس نہ سمجھنا کہ ہوں زردارِ سخن
مدحِ مولاؐ میں مِرے شعروں کے دفتر ہیں بہت
مجھ کو کیا فکر ہے، جنت میں مِرے گھر ہیں بہت

☆ شاعر کے مجموعۂ غزل کا نام

۴۳

گھر ہیں فولاد کے، تنکوں کے بھی گھر ہوتے ہیں
گھر بُروں کے بھی ہیں، اچھوں کے بھی گھر ہوتے ہیں
گھر ہیں جھوٹوں کے بھی، سچوں کے بھی گھر ہوتے ہیں
حد یہ ہے خانہ بدوشوں کے بھی گھر ہوتے ہیں
خیمے کاندھوں پہ رکھے دن کو سفر کرتے ہیں
گھر وہ ہوتا ہے، جہاں رات بسر کرتے ہیں

۴۴

گھر کی اپنی تو کوئی خو، نہ سلیقہ، نہ مزاج
خود بدلتا ہی نہیں یہ تو جو کل تھا، وہی آج
اپنی تبدیلی کو رہتا ہے کسی کا محتاج
شکل اس کی بھی بدل جاتی ہے، بدلے جو سماج
شاہ راہوں پہ رواں شام و سحر دیکھے ہیں
ہم نے اس عہد میں چلتے ہوئے گھر دیکھے ہیں

۴۵

دید و نادید میں پنہاں ہے نظر کی حُرمت
وصفِ اخلاق ہے دیوار کی، در کی حُرمت
جس طرح اہلِ ہُنر میں ہے ہُنر کی حُرمت
اہلِ خانہ بھی رکھا کرتے ہیں گھر کی حُرمت
راحت و زیست کا سامان بھی دے دیتے ہیں
گھر کی حُرمت کی لیے جان بھی دے دیتے ہیں

۴۶

اہلِ خانہ سے ہوا کرتی ہے عزّت گھر کی
اہلِ خانہ ہی بدل دیتے ہیں حالت گھر کی
مشکل آساں ہے جو حاصل ہو سہولت گھر کی
قیدخانہ سے تو بہتر ہے حراست گھر کی
کبھی اس طرح بھی در بند کیے جاتے ہیں
گھر میں انسان نظر بند کیے جاتے ہیں

۴۷

بگڑے ماحول میں اِک اِک کو سنبھلنا ہوگا
نئی راہوں پہ بہت دیکھ کے چلنا ہوگا
ڈھالنا ہوگا کہ اِقدار میں ڈھلنا ہوگا
یہ جو مشکل ہے، تو مشکل سے نکلنا ہوگا
ذمّہ داری یہ ہماری ہے کہ دیں گھر کا شعور
گھر کے اندر ہی بنا کرتا ہے باہر کا شعور

۴۸

کرم اللہ کا، ماں باپ کی شفقت گھر میں
پاسِ اخلاص و وفا، مہر و محبّت گھر میں
نسل در نسل بزرگوں کی ریاضت گھر میں
جو کہیں سے نہیں ملتی ہے، وہ دولت گھر میں
گھر میں جو ملتی ہے نعمت، وہ کہاں ملتی ہے
جس کے پیروں تلے جنت ہے، وہ ماں ملتی ہے

۴۹

یہ جو ہے گھر کی بہو، اس کا بھی کچھ احساس
اور ہے کون جو ہو اس کا یہاں قدر شناس
اس کے میکے کا یہاں پر نہ کوئی آس، نہ پاس
باپ کوئی تو سُسر، ماں جو کوئی ہے تو ہے ساس
اپنی دنیا نئی اِک اِس نے بسائی ہے یہاں
اپنے ماں باپ کا گھر چھوڑ کے آئی ہے یہاں

۵۰

اہلِ خانہ ہوں اگر خیر سے سب رُتبہ شناس
گفتگو نرم بھی ہو اور ہو لہجہ میں مٹھاس
ہو جو ہر ایک کو، ہر ایک کے جذبات کا پاس
بھائی ہوں عونؑ و محمدؑ، تو چچا ہوں عباسؑ
سب ہی رشتے ہیں یہاں سب کی تاآسّی کرلیں
ماں، پھوپھی، حضرت زینبؑ کی تاآسّی کرلیں

۵۱

جس کی تعمیر کی آدمؑ نے، وہ پہلا گھر تھا
مٹّی پانی سے بنایا ہوا کچّا گھر تھا
صرف کچّا ہی نہیں تھا بڑا چھوٹا گھر تھا
مِثل کوئی نہ تھی موجود، اکیلا گھر تھا
اک پیمبرؑ نے بنائی جو عمارت گھر کی
لامکاں سے ہوئی نسبت، یہ ہے عظمت گھر کی

۵۲

عالمِ قُدس میں اک بیت ہے بیت المعمور
قریۂ نور میں جس گھر کی فضا نور ہی نور
ہر گھڑی جس کے طوافوں پہ فرشتے مامور
یہی اِس گھر کا تقدس ، یہی اِس کا دستور
کیا خبر ہے رکھا بنیاد کا پتھر کس نے
کیا خبر ہے کہ یہ تعمیر کیا گھر کس نے

۵۳

کوئی اس گھر کا مکیں ہے کہ نہیں ، کیا معلوم
یہاں کس کس نے جھکائی ہے جبیں ، کیا معلوم
بیٹھے ہوں حضرتِ عیسیٰؑ بھی وہیں ، کیا معلوم
مثلِ کعبہ ہو سرِ عرشِ بریں ، کیا معلوم
اک عبادت کا حوالہ ہو فرشتوں کے لیے
قبلۂ عالمِ بالا ہو ، فرشتوں کے لیے

۵۴

چشمِ تخئیل کا اعجازِ نظر ہو جیسے
اگلی منزل کی گذرگاہ کا دَر ہو جیسے
بدنِ نافِ زمیں پر کوئی سر ہو جیسے
فرش سے عرش تلک ایک ہی گھر ہو جیسے
ایک ہی سیدھ میں دونوں ہیں تو اب ، کیا کہیے
اسی کعبہ کی اُسے منزلِ بالا کہیے

۵۵

اِسی کعبہ کو تو اللہ کا گھر کہتے ہیں
لا مکاں ہے مِرا معبود ، مگر کہتے ہیں
اہلِ دیں ، اہلِ نظر ، اہلِ خبر کہتے ہیں
ایک دو بار نہیں ، شام و سحر کہتے ہیں
پہلے بندے سے خدا نے اِسے بنوایا ہے
اِسی گھر سے تو نصیری نے خدا پایا ہے

۵۶

بنی ہاشمؑ کا وہ گھر سارے گھروں میں ممتاز
سرفروشوں کا قبیلہ تھا ، رہا سر افراز
زائروں کی وہ پذیرائی کا اعلیٰ انداز
ابوطالبؑ کو یہ اللہ نے بخشا اعزاز
شاہِ کونین پَلا خاک نشیں کے گھر میں
رَب نے محبوب کو بھیجا تو اِنہیں کے گھر میں

۵۷

معرضِ بحث میں ایمان ابوطالبؑ کا
رہتی دنیا پہ ہے احسان ابوطالبؑ کا
اپنے معبود سے پیمان ابوطالبؑ کا
ذوالعشیرہ کا وہ اعلان ابوطالبؑ کا
جس کی نسلوں کا لہو شہ رگِ اسلام میں ہے
ساری تکلیف مسلماں کو اُسی نام میں ہے

۵۸

وہ بھی اک گھر ہے مقابل پہ زرا قابلِ دید
جس کے اَسلاف کے اخلاف میں اک فرد یزید
دشمنِ عترتِ اطہار ، نجس اور پلید
اِس حقیقت کی جو ممکن ہو تو کیجے تردید
اپنے گھر ہی کا اثر اُس نے دکھایا ہوگا
جس نے حمزہؑ کے کلیجے کو چبایا ہوگا

۵۹

جد ہیں اک گھر کے محمدؐ ، تو نواسے حسنینؑ
باپ مولائے جہاں ، فاتحِ صفّین و حنُین
ماں بھی زہراؑ سی کہاں ارض و سما کے مابین
گھر کا گھر حاملِ مصداقِ حدیثِ ثقلینَ
تھے مکیں ایسے مؤثر کہ اثر بول اٹھا
بودوباش ایسی کہ مٹی کا بھی گھر بول اٹھا

۶۰

یہ وہی گھر ہے جہاں شافعِ محشرؐ آئے
یہ وہی گھر ہے جہاں ساقیِ کوثرؑ آئے
نوکری کرنے کو جبریل برابر آئے
چرخ سے تارا اِسی گھر میں اتر کر آئے
یہ وہی گھر تو ہے قرآن جہاں اُترا ہے
کُلّ ایمان کا ایمان جہاں اُترا ہے

۶۱

جس کے ہونے سے ہوئی خِلقتِ اَفلاک ، وہ گھر
جس کا سردار ہوا سَیّدِ لولاک ، وہ گھر
جس کو خود آیۂ تطہیر کہے پاک ، وہ گھر
سامنے جس کے ہے دنیا ، خس و خاشاک وہ گھر
اس گھرانے سے وفا ہو ، تو وفا راضی ہے
ہو جو اِس گھر سے تعلق ، تو خدا راضی ہے

۶۲

جس سے ممکن ہوا ایمان کا ادراک ، وہ گھر
آئی بچّوں کی جہاں خُلد سے پوشاک ، وہ گھر
جس کے جوتوں کی گئی عرش تلک خاک ، وہ گھر
جس کی مٹّی بھی تھی مسجد کی طرح پاک ، وہ گھر
ساری دنیا کے گھروں سے یہ جُدا رہتا ہے
دَر اِسی گھر کا تو مسجد میں کھُلا رہتا ہے

۶۳

نہ کوئی ایسا مکاں اور نہ مکیں اِن جیسا
ڈھونڈھنے سے بھی نہ پاؤ گے کہیں اِن جیسا
سارے عالم میں کوئی اور نہیں اِن جیسا
عرش والوں میں نہیں خاک نشیں اِن جیسا
بوترابؑ اس کا مکیں ہے ، یہ شرف خاک کا ہے
قابلِ رشک یہ گھر پنج تنِؑ پاک کا ہے

۶۴

نہ کوئی سچّا ہے اِن سا ، نہ امیں اِن جیسا
دیں کی قسمت کہ ملے حاصلِ دیں اِن جیسا
کسی محفل میں نہیں صَدر نشیں اِن جیسا
حُسنِ عالم میں نہیں کوئی حسیں اِن جیسا
نہ وہ یوسف کا ، نہ یوسف کے خریدار کا حُسن
یہ مدینہ کا ہے ، وہ مصر کے بازار کا حُسن

۶۵

سارے عالم میں ہیں مشہور فسانے اِن کے
فخر سے لکھتی ہے تاریخ زمانے اِن کے
گھر میں بھیجا ہے فرشتوں کو ، خدا نے اِن کے
سب گھرانوں سے معزّز ہیں گھرانے اِن کے
نہیں یہ لفظ کسی گھر کے مکینوں کے لیے
''اہلِ بیتؑ'' آیا اسی گھر کے مکینوں کے لیے

۶۶

بی بی مریمؑ سے سِوا ، آپ ہیں عیسیٰؑ سے سِوا
اہلِ ایماں سے جو پوچھو تو کہیں گے ، مولا
نام سُن لے گا نُصیری ، تو پکارے گا خُدا
خود جو پوچھو گے علیؑ سے ، تو خدا کا بندہ
گھر ولادت کا بھی کعبہ ہے ، کلیسا تو نہیں
ابوطالبؑ کا ہے ، اللہ کا بیٹا تو نہیں

۶۷

دین کامِل ہوا ، اور نعمتیں سب اِن پہ تمام
ہے اسی گھر کے وسیلہ سے جہاں میں اسلام
ہے اسی گھر کا خلف میرے زمانے کا امامؑ
یہ وہی گھر ہے پیمبرؐ جہاں کرتے تھے سلام
کس نے اس گھر کے سِوا ایسے شرف پائے ہیں
بے اجازت تو فرشتے بھی نہیں آئے ہیں

۶۸

اِذن پاتے ہیں تو آتے ہیں فرشتے گھر میں
پَیرہَن عید کے لاتے ہیں فرشتے گھر میں
جھولا بچّوں کو جُھلاتے ہیں فرشتے گھر میں
لوریاں آکے سناتے ہیں فرشتے گھر میں
گھر کے صاحِب کو تو مولائے جہاں کہتے ہیں
گھر کی خاتون کو خاتونِ جناں کہتے ہیں

۶۹

اِسی گھر سے تو بلاؤں کی بھی رَد رہتی تھی
اسی گھر پر تو فرشتوں کی رَسَد رہتی تھی
شاملِ حال جو خالق کی مَدَد رہتی تھی
جو یہ کرتے تھے ، وہی حق کی سَنَد رہتی تھی
بھیڑ مخلوق کی پھر شام و سَحَر لگتی ہے
ایسا گھر ہو تو زمانے کی نَظَر لگتی ہے

۷۰

ساری دنیا میں اسی گھر سے عقیدت ہے مجھے
اس کی دہلیز پہ سر رکھنے کی عادت ہے مجھے
شکر خالق کا کہ اس گھر سے ہی نسبت ہے مجھے
یہ نسب کی جو سیادت ہے، سعادت ہے مجھے
سب اسی گھر کے ہیں شامل جو عبادات میں ہیں
ذکر ان کے ہی تو قرآن کی آیات میں ہیں

۷۱

میری آنکھوں نے بھی اِک گھر کی زیارت کی ہے
جس میں رہ کر مِرے مولا نے ہدایت کی ہے
عام مفہوم میں دنیا کے، خلافت کی ہے
چار اماموں نے اسی گھر میں عبادتِ کی ہے
عَلَوی عہد کی عَظمت کا نشاں آج بھی ہے
شہرِ کوفہ میں وہ مٹی کا مکاں آج بھی ہے

۷۲

ایک گھر ہے جہاں رہتے ہیں امامِ دوراں
گھر تو موجود ہے لیکن نہیں معلوم کہاں
منتظر بیٹھے ہیں دیدار کے اہلِ ایماں
نظر آجائے ملاقات کا کوئی امکاں
کام آنا ہی تو کام اُن کا ہے، کام آتے ہیں
بے پتا لکھے، عریضے بھی پہنچ جاتے ہیں

۷۳

میں تو جاتا نہیں بھولے سے کسی یار کے گھر
اپنے گھر اتنے ہیں، کیوں جاؤں میں اغیار کے گھر
جاؤں مقدادؑ کے ، سلمانؑ کے ، عمارؑ کے گھر
جا کے قنبرؑ سے ملوں حیدرِ کرارؑ کے گھر
یہ وہی گھر ہے جہاں اہلِ کساء رہتے ہیں
اہلِ جمہور میں خاصانِ خدا رہتے ہیں

۷۴

کربلا سلسلۂ اہلِ وفا کا گھر ہے
نرغۂ کفر میں ، اربابِ خدا کا گھر ہے
وادیٔ ظلم میں مظلومِ جفا کا گھر ہے
راہ کہتی ہے یہی راہ نما کا گھر ہے
سب ہی اعلیٰ ہیں یہاں ، ایسا یہ عالی گھر ہے
یہ بھی اک عالمِ امکاں کا مثالی گھر ہے

۷۵

اپنا گھر چھوڑ کے جنگل کو بسانے والے
دشتِ بےآب کو گُل‌زار بنانے والے
گھر کا گھر مرضیٔ مولا میں لُٹانے والے
تجھ کو سمجھے نہیں اب تک یہ زمانے والے
قبر ننّھی سی جو مقتل میں بنا دی تو نے
طاقتِ صبر زمانے کو دِکھا دی تو نے

۷۶

تجھ سا صابر نہ زمانے میں کوئی آیا ہے
صبرِ ایوبؑ ترے صبر سے شرمایا ہے
زخم پر زخم سرِ دشتِ بلا کھایا ہے
تو نے پردیس میں ہر داغِ جگر پایا ہے
کم سِن و پیر و جواں دین پہ قربان کیے
کتنے گھر خانۂ معبود پہ ویران کیے

۷۷

گھر حبیبِ شہِ صفدر کا ہوا ہے ویراں
گھر وفادار برادر کا ہوا ہے ویراں
گھر تو انصار کا ، یاور کا ہوا ہے ویراں
گھر رہِ حق میں بہتّر کا ہوا ہے ویراں
راہِ اسلام میں یوں حاملِ بےداد ہوئے
ان کے گھر پھر نہ جہاں میں کبھی آباد ہوئے

۷۸

خانۂ آلِ محمدؐ پہ تو آئی اُفتاد
گلشنِ دینِ الٰہی ہوا پھر سے آباد
ہائے کیا آلِ محمدؐ پہ ہوئی ہے بےداد
"کربلا ہوگئی آباد ، مدینہ برباد"
کربلا میں جو بھرے گھر کی یہ قربانی ہے
گھر میں یثرب کے بھی ویرانی سی ویرانی ہے

۷۹

کبھی صغرٰاؑ نے تصوّر میں جُھلایا جھولا
کبھی معصوم سکینہؑ کو بہت یاد کیا
کبھی عبّاسؑ کی شفقت کا خیال آنے لگا
کبھی اکبرؑ کے خیالوں میں لگایا سہرا
گھر کی ویرانی میں کیا کیا نہیں سوچا دل میں
نیگ اکبرؑ سے ہے لینے کی تمنّا دل میں

۸۰

اب تو گھر کے در و دیوار اسے ڈستے ہیں
گھر کے افراد خبر کیا ہے ، کہاں بستے ہیں
قافلے والے خدا جانے کہ کس رستے ہیں
جب ستم گار سکینہؑ کا گلا کستے ہیں
اس کی گردن میں بھی تکلیف بہت ہوتی ہے
یاد آتی ہے بہن کی تو بہن روتی ہے

۸۱

گھر میں موجود پیمبرؐ کی نہیں ہے تصویر
جُھولا رکھا ہے تو جُھولے میں نہیں ہے بےشیر
کس سے کھیلے کہ نہیں ہے وہ سکینہؑ ہمشیر
دَر پہ عبّاسؑ چچا اب ہیں ، نہ بابا شبّیرؑ
جب مکیں گھر کے سدھارے ، تو قیامت دیکھی
بس برستی در و دیوار سے وحشت دیکھی

۸۲

دل نہیں لگتا کسی طور بھی گھر میں اُس کا
وہ ہے بیمار ، مسیحا ہے سفر میں اُس کا
گھر کا گھر لُٹ گیا ، اک راہ گزر میں اُس کا
گھر ہے ویران بہت اپنی نظر میں اُس کا
در و دیوار پہ جب اُس کی نظر جاتی ہے
اک قیامت دلِ صغرٰا پہ گزر جاتی ہے

۸۳

ایسا گھر کوئی بھی دنیا میں نہ ہوگا برباد
جیسا باقر ہوا گھر ، آلِ نبیؐ کا برباد
مانگ اُجڑی ہوئی ، آغوشِ تمنّا برباد
جادۂ حق پہ یہ گھر ہو گیا کیسا برباد
راہِ اسلام میں اب تک وہ اَثَر باقی ہیں
اِس لُٹے گھر سے مسلمانوں کے گھر باقی ہیں

آٹھواں مرثیہ عنوان **آیاتِ سُخَن**

مطلع : پھر کوئی تازہ سُخَن اے مرے پندارِ سُخَن

بند: ۷۷

تصنیف: ۱۹۹۸ء

اے دستِ دُعا بابِ قبول آتا ہے
اس شاخِ تمنا پہ بھی پھول آتا ہے
مِنبَر کی طرف بڑھا تو آواز آئی
وہ بُلبُلِ بُستانِ رسول آتا ہے

۱

پھر کوئی تازہ سخن ، اے مرے پندارِ سخن
اک نئے ڈھب سے سجا ، پھر در و دیوارِ سخن
آج پھر غیرتِ فردوس ہو گُلزارِ سخن
کوئی تو ہو جو رکھے شوکتِ اقدارِ سخن
خدمتِ شعر کو بے دام و درم حاضر ہیں
پاسِ اقدارِ سخن کے لیے ہم حاضر ہیں

۲

پھر سجا سر پہ مرے طُرۂ دستارِ سخن
پھر برس بعد کُھلا ہے درِ دربارِ سخن
جوہریوں میں رکھوں سِلکِ جلادارِ سخن
جو کسوٹی ہیں وہ پرکھیں گے یہ معیارِ سخن
بزم میں قدر شناسانِ سخن بیٹھے ہیں
قدر دانوں میں کئی ماہرِ فن بیٹھے ہیں

۳

خدمتِ شعر و سخن کر گئے ساداتِ سخن
زیب بس اُن کو ہی دیتی تھی مباہاتِ سخن
مرثیوں میں کیے ظاہر وہ کمالاتِ سخن
اُن کے بستے ہیں کہ ہیں مصحفِ آیاتِ سخن
لہلہاتے ہوئے شعروں کے چمن باقی ہیں
آج بھی اُن کی کراماتِ سخن باقی ہیں

۴

پھر مجھے نامِ خدا ، کارِ خُدا کرنا ہے
حَمد لکھنا ہے ، پیمبرؐ کی ثنا کرنا ہے
ساتھ ہی تذکرۂ آلِ عبؑا کرنا ہے
خوب معلوم ہے مجھ کو ، مجھے کیا کرنا ہے
اس ریاضت سے جو اظہار مودّت ہوگا
انہیں شعروں سے ادا اجرِ رسالت ہوگا

۵

نعت ہے مَدحِ نبیؐ ، حَمد ہے خالق کی ثنا
حَق سے ہے بندۂ عاجز کی مُناجات دُعا
مَنقبَت آلِ محمدؐ کے مَراتِب کی ضِیا
خاص اَصناف میں ہوتی ہے شہیدوں کی رِثا
نوحہ و مرثیہ و سوز و سَلام آتے ہیں
غم کے اظہارِ عقیدت میں یہ نام آتے ہیں

٦

نام اللہ کا لکھتا ہے قلم ، بسم اللہ
آج پھر ہوتا ہے مولا کا کرم بسم اللہ
رزق افکار کا ہوتا ہے بہم بسم اللہ
دور منزل ہے بہت ، وقت ہے کم بسم اللہ
تنگیِ وقت میں باقی مِری اوقات رہے
مَزرَعِ شعر و سخن پر مِرے برسات رہے

۷

حسبِ توفیق لکھوں ، حسبِ ضرورت لکھوں
وقت کا پھر ہے تقاضا کہ بسُرعت لکھوں
جس کا لکھنا ہو عبادت ، وہ عِبارت لکھوں
گویا جو کچھ بھی لکھوں حَرفِ صداقت لکھوں
آج پھر فکرِ سخن میں مجھے آسانی ہو
لفظ مرغوب ہوں ، مضموں کی فراوانی ہو

۸

ہوں وہ افکار جو ذہنوں کی طہارت بن جائیں
مصرعے ایسے ہوں کہ لفظوں کی متانت بن جائیں
بزم معبد بنے ، اشعار عبادت بن جائیں
اور قیامت میں یہی وَجہِ شفاعت بن جائیں
نعمتوں کا مرے معبود کی شکرانہ ہو
پھر تو یہ مرثیہ بھی خُلد کا پروانہ ہو

۹

شُکر اللہ کا کرنے سے زباں قاصر ہے
پیر عاجز ہے یہاں اور جواں قاصر ہے
سب کا یاں زورِ قلم ، زورِ بیاں قاصر ہے
نہیں کچھ ہیچ مداں پر ہمہ داں قاصر ہے
جو بھی سانس آتی ہے ، اِک نعمتِ رَب ہوتی ہے
اور نعمت ہی ہے جو شُکرِ طَلَب ہوتی ہے

۱۰

حَمد اُس کی ہے جو ہے خالقِ امکانِ وجود
جس کی تخلیق سے قائم ہے دبستانِ وجود
جس کی مخلوق سے روشن ہے شبستانِ وجود
جس کے ہونے سے ہیں، سارے سروسامانِ وجود
حیّ و قیوم ہے ، رکھتا ہے نمودِ واجب
ساری مخلوق ہے ممکن ، وہ وجودِ واجب

۱۱

کُفر والے بھی اُسی کے تو بھجن گاتے ہیں
جن کو بھگوان سے ہوتی ہے لگن ، گاتے ہیں
سب ہی اظہارِ عقیدت کے سخن گاتے ہیں
یہ تو انسان ہیں ، مرغانِ چمن گاتے ہیں
حَق جو خالق کی عنایت کا ادا کرتی ہے
ساری مخلوق اُسی رَب کی ثنا کرتی ہے

۱۲

ہے ہر اِک شے کو فنا ، ایک اُسی کو ہے ثبات
اُس کے ہی قبضۂ قدرت میں حیات اور ممات
اس کی مخلوق ہیں انسان ، فرشتے ، جِنّات
یہ پرندے ، یہ چرندے ، یہ جمادات و نبات
وہ حواسوں کا ہے خالق ، دل و جاں کا خالق
خالقِ ارض و سما ہے ، وہ جہاں کا خالق

۱۳

ایک آواز سے قدرت کا یہ اعجاز ہوا
طائرِ مُلکِ عَدم مائلِ پرواز ہوا
یعنی امکان کے اظہار کا دَر باز ہوا
کُن سے اس دفترِ تخلیق کا آغاز ہوا

ہر طرف نور تھا ، دنیا نے بھی مانا ہے اسے
آج سائینس نے بِگ بینگ☆ سے جانا ہے اسے

۱۴

کائنات اُس نے بنائی کسی زحمت کے بغیر
خلق کرتا ہے کسی ہاتھ کی حرکت کے بغیر
کوئی تخلیق نہیں اُس کی ضرورت کے بغیر
کام ہوتا نہیں اُس کا کوئی حکمت کے بغیر

وہ مسبّب تھا تو سارا یَم اسبَاب بنا
"کُنتُ کنزاً" کے سَبَب عالَمِ اَسباب بنا

۱۵

نہ تفکّر کی ضرورت تھی ، نہ منصوبے کی
مشورے کی ، نہ نمونے ، نہ کسی نقشے کی
تجربے کی ، نہ تردّد ، نہ کسی خدشے کی
کوئی صورت کہاں ممکن تھی نہ ہو سکنے کی

اَمرِ معروف کے اظہارِ شعوری میں ہوئی
ساری مخلوق معاً اُس کی حضوری میں ہوئی

☆ Big Bang

۱۶

سب کی شکلیں ہیں جُدا ، نام الگ ، کام الگ
خصلتیں سب کی جُدا ، سب کی ہیں اقسام الگ
سب کا آغاز جُدا ، سب کا ہے انجام الگ
سب جمادات و نباتات کے اجسام الگ
ساری مخلوق سے واقف تھا وہ خلقت سے بھی قبل
علم رکھتا ہے وہ معلول کا ، علّت سے بھی قبل

۱۷

عالمِ ہو تھا ، ہر اِک شے تھی عدم میں معدوم
ذاتِ واجب تھی فقط ، کب تھے مہ و مہر و نجوم
نہ کوئی فاعل و مفعول ، نہ لازم ملزوم
وہ تو اُس وقت بھی عالِم تھا، نہ تھا جب معلوم
ابھی مقدور بنے بھی نہ تھے قادِر جب تھا
پلنے والے ابھی موجود نہ تھے ، وہ رَب تھا

۱۸

لامکاں خود ہے ، مگر کون و مکاں کا خالق
وقت و لا وقت کے ہر عہد و زماں کا خالق
خلقِ ظاہر کا بھی اور خلقِ نہاں کا خالق
ہر رگِ جاں سے قریں ، ہر رگِ جاں کا خالق
کوئی نزدیک نہیں جتنا خُدا ہے سب سے
صاحبِ جسم نہیں ہے ، وہ جُدا ہے سب سے

۱۹

خالقِ حُسن ہے ہر چیز میں زیبائی ہے
ظرف کے ساتھ ہر اک شے میں توانائی ہے
یہ جو اضداد کی آفاق میں یکجائی ہے
اس تنوّع میں بھی اک جلوۂ یکتائی ہے
خار و گُل ، شمس و قمر ، شام و سَحَر دیکھتے ہیں
اُس کی قدرت نظر آتی ہے ، جِدھر دیکھتے ہیں

۲۰

خالقِ کُل ہے تو اُس کی ہیں حکایات الگ
دوئی ظاہر ہو اگر ہوں صفت و ذات الگ
وہ جو یکتا ہے تو اُس کی ہے ہر اک بات الگ
اُس کے ناموں کی ہیں بندوں سے روایات الگ
'ذوالجلال' ایسے ہیں کچھ نام جلالی اُس کے
کچھ 'شہید' ایسے ہیں اَسمائے جَمالی اُس کے

۲۱

وہ مُمیت اور وہ مانع وہ مُجیب اور شَکُور
وہ مُوَخِّر وہ مُصَوِّر وہ مہیمن ، وہ صَبُور
وہ مُقدّم وہی نافع ، وہی سَتّار و غفور
پاس رہتا ہے سبھی کے ، وہ کسی سے نہیں دور
صِفتیں ذات ہیں اور ذاتِ صِفات اُس کی ہیں
نہ کوئی رُخ ہے ، نہ سمتیں ، نہ جہات اس کی ہیں

۲۲

اَحَد و واجد و ماجد ، صَمَد و نور و مَجید
واحِد و اوّل و توّاب و مُعِز ، عَدل و مُعید
باعِث و وارِث و فتّاح ، متَین اور رَشید
قادرِ و آخر و وہّاب و حکَمَ ، عفو و حَمید
ضار و جبّار و مُقیت و متکبّر باطِن
خافِض و قابِض و قدّوس و مذِل و مومن

۲۳

وہ خَبیر اور کَبیر اور بَصیر اور حَکیم
وہ رَقیب اور حَسیب اور لَطیف اور حَلیم
وہ وَکیل اور حَفیظ اور جَلیل اور عَظیم
وہ بدَیع اور عَزیز اور سَمیع اور عَلیم
مَلِک و مُنتقِم و مالِک و غفّار و کَریم
مُتعالی و محی ، واسِع و رَحمان و رَحیم

۲۴

باسط و مُقسط و رزّاق و رؤف و باری
ظاہر و مقتدر و خالق و مُحصی باقی
جامع و رافع و قیّوم و سَلاَم و ہادی
غَنی و مُغنی و قہّار و وَدود و وَالی
مُبدیِ وحَیُ و قوی ، بَرّ و ولی ہے اللہ
ایک ہی نام بچا ہے ، سو علی ہے اللہ

۲۵

ہے وہی اوّل و آخر ، وہی یکتا و اَحد
نہ اَزل کی کوئی حد ہے ، نہ اَبد کی کوئی حَد
لا سے ہُو تک جو جُمل سے ہے حسابِ ابجد
سو وہی ایک سو دس۱۱۰ اسمِ علی کے ہیں عدد
اسمِ اَعظم ہے ''علی'' یوں بھی سَنَد ہوتی ہے
مشکلوں کی بھی اسی نام سے رَد ہوتی ہے

۲۶

اُس کا ہم سر نہیں کوئی، نہ کوئی اُس کی مثال
نہ کوئی گھر ، نہ قرابت ، نہ کوئی اہل ، نہ آل
اُس کی رحمت کو فنا اور نہ نعمت کو زوال
رِزق دیتا ہے وہاں بھی ، جہاں پہنچے نہ خیال
فاطمہؑ بنت اَسَد کو یہ حرم میں پہنچا
رزق یونسؑ کو بھی مچھلی کے شکم میں پہنچا

۲۷

رزق دیتا ہے وہ نمرود کو ، شدّاد کو بھی
روزی دیتا ہے وہی صید کو ، صیّاد کو بھی
پالتا ہے وُہی اَجداَد کو ، اولاد کو بھی
کارِ ہستی میں گرفتار کو ، آزاد کو بھی
در ہے رحمت کا اُسی کی ، جو کُھلا رہتا ہے
وہ تو جس حال میں ہے، اس میں سدا رہتا ہے

۲۸

ہے بھی ہر شے میں، کسی شے میں سماتا بھی نہیں
ہر جگہ ہے، کہیں آتا، کہیں جاتا بھی نہیں
سامنے آنکھوں کے ہے اور نظر آتا بھی نہیں
کوئی تمثیل، اشارہ اُسے پاتا بھی نہیں
اُس کے ہونے کا پتا خلقِ خدا دیتی ہے
عقل کی آنکھ سے دیکھو، تو دکھا دیتی ہے

۲۹

کس سے مانوس ہو؟ ساتھی نہیں اُس کا کوئی
زوج کیوں کر ہو کہ اُس کا نہیں ہمتا کوئی
باپ اُس کا ہے کوئی اور نہ بیٹا کوئی
ایسا تنہا ہے کہ ایسا نہیں تنہا کوئی
کوئی تاویلِ عدد اُس کے لیے نیک نہیں
وہ جو دو نصف سے بنتا ہے، یہ وہ ایک نہیں

۳۰

ہے مکاں اس کا کوئی اور نہ محل ہے اُس کا
کوئی ثانی، نہ مماثل، نہ بدل ہے اُس کا
نہ زمانہ، نہ کوئی آج، نہ کل ہے اُس کا
ابتدا جس کی نہیں ہے، وہ ازل ہے اُس کا
فکر میں سوچنے والوں کی سمائی کب ہے
مدح تک بولنے والوں کی رسائی کب ہے

۳۱

بس اُسی کے لیے زیبا ہیں سبھی نام و نمود
اصل ہے سب کی عدم اور وہ وجودِ موجود
اُس نے مخلوق کی فطرت ہی میں رکھی ہیں قیود
سب ہیں محدود ، اکیلا ہے وہی لا محدود
حد کہیں جس کی نہیں ہے کوئی ، بے حد ایسا
جس نے پیدا کیا انسان محمدؐ ایسا

۳۲

نام ایسا ہے کہ ہونٹوں پہ درود آیا ہے
صاحبِ جسم بھی ہوتے ہوئے بے سایا ہے
اپنا محبوب خدا نے اسے فرمایا ہے
خلوتِ خاص میں معراج پہ بلوایا ہے
اِس بلندی پہ کہاں اور نبی پہنچے ہیں
قابَ قَوسَین کی منزل پہ یہی پہنچے ہیں

۳۳

وہ جو یکتا ہے ، تو ملتی نہیں اِن کی بھی نظیر
ہیں یہی رحمتِ کونین ، یہی خیرِ کثیر
تابعِ وَحیِ الٰہی ہے انہیں کی تقریر
اِن کا ہر قول ہے قرآن کی گویا تفسیر
دشمنِ جاں جسے صادق کہے ، سچّے ایسے
جس سے اچھا کوئی ممکن نہیں ، اچھّے ایسے

۳۴

وہ کہ جو اوّل و آخر میں ہے اک ذاتِ اَحَد
اُسی معبود کی گنتی کا ہیں یہ پہلا عَدَد
ان کو عِرفانِ اَزل ہے ، انھیں عِرفان اَبَد
نور ہی نور ہیں ہر چند کہ خاکی ہے جَسَد
جتنے افلاک ہیں سب ان کے لیے فَرش ہوئے
اِن کے نعلین تھے جو زیب دَہِ عَرش ہوئے

۳۵

شاہِ لولاک ہیں ، افلاک کا عنواں یہ ہیں
مرکزِ دائرۂ ہستیٔ امکاں یہ ہیں
نازشِ آدمؑ و داؤدؑ و سلیماںؑ یہ ہیں
ہر زمانے کے لیے صاحبِ دوراں یہ ہیں
اِن کی نظروں میں ہیں اعمال کے دفتر سب کے
ہیں یہی پیشِ خدا ، شافعِ محشر سب کے

۳۶

انبیاء نے کیا میثاقِ رِسالت اِن کا
ساعَتِ سَعد بنا یُمنِ وِلادت اِن کا
سعیٔ مشکور ہوا کارِ ہدایت ان کا
دیکھنا جاہ ، حَشَم روزِ قیامت ان کا
شافعِ حشر ہیں یہ ، دونوں جہاں ان کے ہیں
بچے سردارِ جوانانِ جناں اِن کے ہیں

۳۷

ان کی بعثت پہ نبوّت اُسے کرنا تھی تمام
راہِ پیغام و ہدایت اُسے کرنا تھی تمام
حدِّ احکام و شریعت اُسے کرنا تھی تمام
دیں کی تکمیل پہ نعمت اُسے کرنا تھی تمام
اپنی مخلوق کا ہر عہد دکھانا تھا اُسے
اوّلِ خلق کو آخر میں بُلانا تھا اُسے

۳۸

پہلی تخلیق جو خالق کی تھی ، نور اِن کا تھا
ذاتِ واجب تھی فقط اور ظہور اِن کا تھا
غیب ہے جو بھی ہمارا ، وہ حضور اِن کا تھا
جلوۂ نورِ سرِ وادیٔ طور اِن کا تھا
نور خالق کا ہو ، محصورِ نَظَر کیا معنی
اُس کا جلوہ ہو کسی ایک نگر ، کیا معنی

۳۹

آپ کی ذات پہ رحمت اُسے کرنا تھی تمام
دین و دنیا کی سعادت اُسے کرنا تھی تمام
اس گھرانے پہ امامت اُسے کرنا تھی تمام
آخری عہد کی حجّت اُسے کرنا تھی تمام
اقتدار اِن کا کہاں تک ہے ، دکھانا تھا اُسے
حشر تک اِن کی حکومت ہے ، بتانا تھا اُسے

۴۰

دشت میں پھر کوئی پھیلی نہیں ایسی تنویر
پھر قلم نے کوئی لکھی نہیں ایسی تحریر
خوابِ امکاں نے بھی پائی نہیں ایسی تعبیر
پھر مصوّر نے بنائی نہیں ایسی تصویر
یوں لگا مشغلۂ لوح و قلم چھوڑ دیا
ایسا شہ کار بنایا کہ قلم توڑ دیا

۴۱

کوئی ہادی ہے ، نہ رہ بَر ، نہ ولی اِن جیسا
کوئی اَوتار ، رُشی اور نہ مُنی اِن جیسا
کوئی مُصلح ، نہ مُعلّم ، نہ نَبی اِن جیسا
ساری دنیا میں نہیں اور کوئی اِن جیسا
کب اُنھیں اِن کی فضیلت سے سِوا سمجھے ہیں
اِن کا نائب ہے جسے لوگ خدا سمجھے ہیں

۴۲

ان کے نائب ہی کے بابا نے تو پالا ہے انھیں
بنی ہاشم کی روایات میں ڈھالا ہے انھیں
ایک طوفان و تلاطم سے نکالا ہے انھیں
کہیں گرنے نہ دیا ، ایسا سنبھالا ہے انھیں
گھر بھتیجے کا بسایا ہے ابوطالبؑ نے
عقد بھی ان کا پڑھایا ہے ابوطالبؑ نے

۴۳

آؤ یہ بھی تو زرا اَمرِ حقیقت دیکھو
ابوطالبؑ کی بھتیجے سے محبّت دیکھو
کس طرح راتوں میں کی ان کی حفاظت، دیکھو
اپنے بیٹوں سے بدل دینے کی ہمّت دیکھو
اسی ایثار سے پایا ہے مقدّر ایسا
پال کر دے دیا دنیا کو پیمبر ایسا

۴۴

کیوں مُخالف ہے مسلمان ابوطالبؑ کا
مانتا کیوں نہیں احسان ابوطالبؑ کا
گھر تھا اِسلام کا، ایوان ابوطالبؑ کا
درد اِسلام کا، درمان ابوطالبؑ کا
بدلہ احسان کا کیا یوں ہی دیا جاتا ہے؟
محسنِ دیں کو بھی کافر ہی کہا جاتا ہے؟

۴۵

کیا کہیں کُفر کیا کرتا ہے ایسے اِقدام
جن کی ہیبت سے ہوں کُفّار کے حَربے ناکام
کھینچ کر تیغ کھڑا ہو کرے کارِ اسلام
کُفر اگر یہ ہے، تو اِس کفر کو ایماں کا سلام
کفر پر ان کی جلالت ہی تو نسلوں میں گئی
اس جلالت کی عداوت ہی تو نسلوں میں گئی

۴۶

ساتھ دینا علی اَلاعِلان ابوطالبؑ کا
کام ایسا نہ تھا آسان ابوطالبؑ کا
رہتی دنیا پہ ہے اِحسان ابوطالبؑ کا
سابقُ اَلاَمر ہے ایمان ابوطالبؑ کا
شوق سے آپ یہ کہیے کہ خُدا نے کی ہے
پرورش☆ اپنے بھتیجے کی چچا نے کی ہے

۴۷

ذوالعشیرہ میں جو اُٹھ جاتے تھے کھا کھا کے طعام
اور بھڑک اُٹھتے تھے سُنتے تھے جو اللہ کا نام
غیض میں پھر ابوطالبؑ نے نکالی جو حسام
پھر یہ ہمّت تھی کسی میں نہ سُنے حق کا پیام
کام ان کا تھا ہر عُنوان سے اچھّا کہ نہیں
کُفر یہ ہے، تو ہے ایمان سے اچھّا کہ نہیں

۴۸

تھا پیمبرؐ کو بہت ان کی جدائی کا ملال
سالِ رحلت تھا انہیں کا جو بنا حزن کا سال
کوئی مونس تھا، نہ یاور کہ جو ہو شاملِ حال
ہر کڑے وقت میں آیا ابوطالبؑ کا خیال
سختیاں بڑھ گئیں جب ساتھ چچا کا چھوٹا
اتنے مجبور ہوئے آپ سے مکّہ چھوٹا

☆ اَلَم یَجِدکَ یَتیماً فآویٰ (سورۂ والضحیٰ)

۴۹

جان پہچان کے انجان ہوئے جاتے ہو
دانا ہوتے ہوئے نادان ہوئے جاتے ہو
نفع کی راہ لو ، نقصان ہوئے جاتے ہو
نام سُن کر ہی پریشان ہوئے جاتے ہو
یہ جو کچھ قوّتِ ایماں میں کمی باقی ہے
کیا کہیں کُفر سے کچھ ربط ابھی باقی ہے

۵۰

بات اتنی ، ارے احسان فراموش نہ بھول!
یہ محمدؐ ، یہ علیؑ ہیں تو اِسی باغ کے پھول
ایک مولائے جہاں ، ایک رسولِ مقبول
ابوطالبؑ کی ریاضت کے ہیں پھل آلؑ و رسولؐ
چھوڑ کے اِن کو جہاں جاؤ گے ، پچھتاؤ گے
جنت اِس گھر ہی سے پاؤ گے اگر پاؤ گے

۵۱

دیر لگتی نہیں بگڑا ہوا منظر بنتے
خاکِ بے مایہ کے ذرّات کو جوہر بنتے
قطرۂ آب کو وُسعَت میں سمندر بنتے
سب کی بگڑی ہوئی دیکھی ہے اِسی گھر بنتے
بگڑا ہو حُرؑ کی طرح بھی ، تو مقدّر بن جائے
کوئی بے زر یہاں آئے تو ابوذرؓ بن جائے

۵۲

علم و حکمت کا مدینہ ہیں نبیؐ ، دَر حیدرؑ
وہ پیمبر ہیں تو ہیں نفسِ پیمبر حیدرؑ
ہو مہم کوئی ، ہمیشہ ہیں مظفّر حیدرؑ
رَہ بَری ناز کرے جن پہ ، وہ رَہ بَر حیدرؑ
جادۂ مرضیِ معبود کے راہی ہیں یہی
تیغ لیتے ہیں خدا سے ، وہ سپاہی ہیں یہی

۵۳

جب بھی تلوار کہیں حق کے سپاہی کی چلی
موت کا سیل بڑھا ، لہر تباہی کی چلی
ان کے بابا سے رَوِش دین پناہی کی چلی
یہ جہاں پہنچے ، وہاں بات خُدا ہی کی چلی
صرف انسان نہیں ، جِن بھی انہیں جانتے ہیں
اِن کی تلوار کا لوہا تو سبھی مانتے ہیں

۵۴

ہے سبھی دولتِ دارین اِنہیں کی جاگیر
اور غذا ان کی فقط ہے نمک و نانِ شعیر
اِن کے آگے ہیں زمانے کے شہنشاہ فقیر
ان کا جو ہو گیا ، اللہ رے اُس کی تقدیر
اہلِ حق اِن کو پیمبر کا وصی کہتے ہیں
نام میں بھی وہ علو ہے کہ علیؑ کہتے ہیں

۵۵

وہ علیؑ جس نے رسالت کی شہادت دی ہے
جس کو پیغمبرِ اکرم نے نیابت دی ہے
جس کے بچّوں نے شہادت کی ضمانت دی ہے
حشر تک نسل میں خالق نے امامت دی ہے
خاص ایک اپنی صِفَت سے اُسے نسبت بخشی
آخری فرد کو اللہ نے غیبت بخشی

۵۶

جس کی کعبہ میں ولادت ہو، کوئی ہو تو کہو
جس کی مسجد میں شہادت ہو، کوئی ہو تو کہو
جس کا دیدار عبادت ہو، کوئی ہو تو کہو
جس کی طینت میں طہارت ہو، کوئی ہو تو کہو
ان کا انداز زمانے سے جُدا رہتا ہے
دَر انہیں کا ہے جو مسجد میں کُھلا رہتا ہے

۵۷

کبھی محراب میں ہیں اور کبھی منبر پہ علیؑ
دیکھیے بت شکنی دوشِ پیمبر پہ علیؑ
جنگِ خندق میں علیؑ، قلعۂ خیبر پہ علیؑ
ایک ہجرت ہی کی شب سوئے ہیں بستر پہ علیؑ
جان جوکھوں کی گھڑی ہو، بڑی بھاتی ہے انہیں
نیند تلواروں کے سائے ہی میں آتی ہے انہیں

۵۸

کُلِ ایماں ہیں تو ایمان کی میزاں ہیں علیؑ
نقطۂ با ہیں علیؑ ، معنیٔ قرآں ہیں علیؑ
غلبۂ کفر میں اک فتح کا عنواں ہیں علیؑ
جس جگہ دیکھو نمودار و نمایاں ہیں علیؑ
دشمنِ دینِ خُدا خوب اِنہیں جانتے ہیں
زورِ بازو کو شجاعان عرب مانتے ہیں

۵۹

سامنے کفر کے تنہا ہوں تو لشکر ہیں علیؑ
فاتحِ بدر و اُحد فاتحِ خیبر ہیں علیؑ
قاتلِ ابنِ وَدو مَرحَب و عَنتر ہیں علیؑ
حق شناسی کا یہی حق ہے کہ حق پر ہیں علیؑ
مرتبہ ان کو ولایت کا ملا ہے رب سے
بعد اللہ و محمدؐ کے ، ہیں افضل سب سے

۶۰

ہے جو مولائے جہاں ، باغ کا مزدور بھی ہے
عمر فاقوں میں بسر ہو اسے منظور بھی ہے
سب کو مشکل سے چھُڑا دینے پہ مامور بھی ہے
ڈھلتے سورج کو پلٹ دینے کا مقدور بھی ہے
عاجز ادراک سے یاں سب کی خرد ہوتی ہے
ختم اِسی پر تو کمالات کی حد ہوتی ہے

۶۱

مونسِ روزِ جزا ، ساقیِ کوثر حیدرؑ
جس پہ ٹھہری ہوئی گیتی ہے ، وہ لنگر حیدرؑ
جو مہم دینِ خدا کی ہو کرے سَر حیدرؑ
تم بھی مشکل میں پکارا کرو ، حیدرؑ حیدرؑ
زحمتیں جو بھی ہیں ، راحت سے بدل جاتی ہیں
نام لینے ہی سے سب مُشکلیں ٹل جاتی ہیں

۶۲

وہ بہادر کہ شجاعت نے کیا ناز اِن پر
ایسے عادل کہ عدالت نے کیا ناز ان پر
ایسے سچّے کہ صداقت نے کیا ناز ان پر
وہ کریم کہ سخاوت نے کیا ناز ان پر
روٹیاں اپنی یہ سائل کو اُٹھا ، دیتے ہیں
بھوکے سوجاتے ہیں اوروں کو کھلا دیتے ہیں

۶۳

صُلح کے وقت علیؑ ، جنگ کے میداں میں علیؑ
شب ہجرت میں علیؑ ، چشمِ حریفاں میں علیؑ
ذوالعشیرہ میں علیؑ ، دعوتِ ایماں میں علیؑ
حجِّ آخر میں علیؑ ، خُم کے بیاباں میں علیؑ
صرف ہنگامۂ تجویزِ خلیفہ میں نہیں
چھوڑ کر لاش پیمبر کی ، سقیفہ میں نہیں

۶۴

اِن کا گھر ہے جِسے اللہ نے عزّت بخشی
جو تصوّر سے بھی اعلیٰ ہے، وہ رفعت بخشی
سب اسی گھر کے مکینوں کو سعادت بخشی
نسل اسی گھر سے چلی جس کو سیادت بخشی
شَرف اس در سے سبھی نامی گرامی چاہیں
ان کے بچّوں سے بڑے خطِّ غلامی چاہیں

۶۵

بزمِ ہستی کے اندھیروں میں چراغاں ان سے
رزق پاتی ہے عقیدت کی رگِ جاں ان سے
شجرِ علم کی ہر شاخِ گلستاں ان سے
آیتیں پوچھتی ہیں معنیٔ قرآں ان سے
یہ وہ ہیں جن سے فضیلت بھی شرف پاتی ہے
ان کے ہونٹوں سے سلونی کی صدا آتی ہے

۶۶

ہیں قصیدوں میں علیؑ، شعر کے دیواں میں علیؑ
مثلِ گُل حسنِ عقیدت کے گُلستاں میں علیؑ
اہلِ عرفاں میں علیؑ، بزمِ فقیہاں میں علیؑ
رہتے ہیں اہلِ مودّت کے دل و جاں میں علیؑ
اہلِ ایماں کا زمانے میں وقار اِن سے ہے
سچ ہے سب گلشنِ ایماں کی بہار اِن سے ہے

۶۷

اسی گلشن کی بہار آلِ پیمبرؐ کو سلام
چھ مہینے کے مجاہد ، علی اصغرؑ کو سلام
قاسمؑ و عونؑ و محمدؑ ، علی اکبرؑ کو سلام
حُرِّ ذی جاہ کو عباسؑ دلاور کو سلام
پیش ہوتا ہے شہیدوں کو تو ہم سب کا سلام
لو حبیبؓ ابنِ مظاہر تمہیں زینبؑ کا سلام

۶۸

اُمِ کلثومؑ کو اور زینبؑ مضطر کو سلام
بے بس و بےکس و بےمقنع و چادر کو سلام
جس نے قرآن پڑھا نیزے پہ، اس سر کو سلام
کربلا میں لُٹے سادات کے ، اس گھر کو سلام
یہ پیمبر کا لُٹا گھر جو رہِ شام میں ہے
سب اسی گھر کا لہو شہ رگِ اسلام میں ہے

۶۹

حمزہؓ و جعفرِؓ طیّار کا ، حیدرؑ کا لہو
خون شبیرؑ کا اور حضرت شبّرؑ کا لہو
دونوں فرزندوں کا اور مُسلمِؑ بے پر کا لہو
کربلا میں جو بہا ہے ، وہ بہتّرؑ کا لہو
چودہ صدیوں سے گذر کر جو یہ نام آیا ہے
وہ یہی خوں ہے ، جو اسلام کے کام آیا ہے

۷۰

صاحبِؑ مہر و وفا ، ثانیِ حیدرؑ ، عبّاسؑ
اپنے اَسلاف کے اخلاق کا پیکر ، عبّاسؑ
جس سے ڈھارس تھی حرم کو ، وہ غضنفر عبّاسؑ
حاملِ مشک و علم شیرِ دلاور عبّاسؑ
پیاس میں فوجِ ستم گار پہ غلبہ کرکے
جس نے پانی نہ پیا نہر پہ قبضہ کرکے

۷۱

اس کی ماں نے بڑے ارمان سے پالا تھا اسے
بڑی چاہت سے ، بڑے دھیان سے پالا تھا اسے
بڑی شوکت سے ، بڑی شان سے پالا تھا اسے
خاص غایت سے ، بڑے مان سے پالا تھا اسے
اس کی خلقت کا تو مقصد ہی تھا نصرت شہؑ کی
ماں نے گھٹّی میں پلائی تھی اطاعت شہؑ کی

۷۲

نام عبّاسؑ ہے اور شیرِ الٰہی کا ہے شیر
ہو زبردست کوئی اس کے مقابل تو ہے زیر
نصرتِ شاہؑ میں دل آج ہے جینے سے جو سیر
اک ذرا رن کی اجازت اسے ملنے کی ہے دیر
دل میں ٹھانی ہے کہ فوجوں کا صفایا کردے
مشک پانی سے بھرے ، خون سے دریا بھردے

۷۳

مگر اس شیر کو لڑنے کی اجازت نہ ملی
حسرتِ جنگ و جدل دل میں جو تھی، دل میں رہی
آبِ دریا سے جو تھی مشکِ سکینہؑ بھرنی
گھاٹ پر چیر کے پہنچا صفِ اعدا کو جری
تشنہ لب تھا نہ مگر منہ کو لگایا پانی
بھر کے چلو میں حقارت سے گرایا پانی

۷۴

یاد آئی جو سکینہؑ کی عَلَم‌دار کو پیاس
کر کے مہمیز فرس کو وہ چلا نیک اساس
مشک لے کر وہ بڑھا جاتا تھا بےخوف و ہراس
جب قلم ہو گئے بازو تو بصد حسرت و یاس
فاصلہ دیکھا کبھی مشکِ سکینہؑ دیکھی
دور سے صورتِ سلطانِؑ مدینہ دیکھی

۷۵

دفعتاً تیرِ ستم مشک میں پیوست ہوا
ریت پر پانی اُدھر مشکِ سکینہؑ سے بہا
ساتھ اک گرز بھی جرّار کے ماتھے پہ لگا
خونِ عبّاسِؑ جری مشک کے پانی پہ گرا
خواہشِ آب پہ پانی جو پھرا ریتی پر
ساتھ پرچم کے عَلَم دار گرا ریتی پر

۷۶

تشنہ لب بچوں کی قسمت کو بگڑتے دیکھا
بھائی نے ایڑیاں بھائی کو رَگڑتے دیکھا
دشت میں گلشنِ ہستی کو اجڑتے دیکھا
پنجۂ موت سے بے دَست کو لڑتے دیکھا
چھو کے عبّاسؑ کے بازو جو ہوا آتی تھی
بنتِ زہراؑ کی ردا سر سے گری جاتی تھی

۷۷

لائے جب مشک و علم خیمہ میں شاہِ کونین
گرد پرچم کے سبھی کرنے لگے شیون و شین
تھا کہیں ہائے چچا اور کہیں ہائے حسینؑ
کہیں نوحہ ، کہیں گریہ ، کہیں ماتم ، کہیں بین
یوں عَلَم دار کی مجلس جو بپا ہوتی تھی
کوئی بی بی بھی پسِ خیمہ کھڑی روتی تھی

نواں مرثیہ عنوان علیؑ اور اسلام

مطلع : حرفِ سُخن متاعِ ہُنر کر رہا ہوں مَیں

بند: ۷۵

تصنیف: ۱۹۹۹ء

دانش کو آگہی سے جُدا کر کے دیکھیے
سورج سے روشنی کو جُدا کر کے دیکھیے
ذِمّہ ہے میرا دن کو جو تارے نظر نہ آئیں
اسلام سے علیؑ کو جُدا کر کے دیکھیے

۱

حرفِ سخن متاعِ ہنر کر رہا ہوں میں
مانوس راستوں سے گزر کر رہا ہوں میں
ماضی کے گرد و پیش سفر کر رہا ہوں میں
آج اپنی زندگی پہ نظر کر رہا ہوں میں
لکھنے ہیں واقعات جو ، ماضی کے حال میں
جگنو چمک رہے ہیں فضائے خیال میں

۲

میری نظر میں ہیں مِرے ماضی کے صبح و شام
لیتا نہیں عدو سے بھی اپنے میں انتقام
میری سرشت میں ہے بزرگوں کا احترام
کرتا رہا ہوں جھک کے ہمیشہ انہیں سلام
نام و نمود کی ہے ، نہ شہرت کی فکر ہے
کچھ ہے تو آبرو کی ہے ، عزّت کی فکر ہے

۳

احسان ہے خدا کا کہ پیدا کیا وہاں
ہر آن ذکر آلِ محمدؐ کا تھا جہاں
فرشِ عزا ہمیشہ بچھا جس میں ، وہ مکاں
اک کام تھا یہی کہ تھا سب کا قرارِ جاں
نامِ حسینؑ لیتے تھے کس اہتمام سے
مشہور تھی حویلی اسی ایک کام سے

۴

پیدا ہوا تو خیر سے اعلیٰ نَسَب ملا
وہ نسبتیں ملیں کہ شَرَف کا سبب ملا
ماحول میں بسا ہوا ذوقِ اَدَب ملا
عالی مَنِش گھروں سے جو ملتا ہے سَب ملا
اَسلاف رَہروانِ رَہِ مُستَقیم تھے
رہتا خَموش کیوں مِرے دادا کَلیم تھے

۵

دادا کی طرح باپ بھی ذاکر فلک مقام
کہتے تھے مرثیے بھی جو ہر سال لا کلام
پڑھتے تھے مجلسوں میں بصد شان و احتشام
میرا بھی خیر سے ہے اُسی قصر میں قیام
اولاد پر بھی سایۂ شاہِ نَجَف رہے
میرے خلف میں بھی یونہی باقی شَرَف رہے

۶

یا رب مِرا شجیع بھی اہلِ قلم بنے
عالِم بنے ، امیر بنے ، محترم بنے
فائز کمال پر ہو اگر کم سے کم بنے
تائید سے علیؑ کی بنے ، جو بھرم بنے
قدریں جو اپنے گھر کی ہیں اُن کا امین ہو
دادا کی طرح آپ بھی منبر نشین ہو

۷

جس گھر میں آنکھ کھولی وہ گھر سیّدوں کا تھا
جس شاخ کا ثمر ہوں ، شجر سیّدوں کا تھا
ہر آن مجھ پہ فیضِ نظر سیّدوں کا تھا
گویا سرشت ہی میں اثر سیّدوں کا تھا
ماحول میں جو دھوم خدا کے ولیؑ کی تھی
گھٹّی میں جو ملی ، وہ محبّت علیؑ کی تھی

۸

کیا چاہیے ہے اور جو حُبِّ علیؑ ملے
کچھ اور بھی ملے ، تو ہمیں بس یہی ملے
غم اِن کے لال کا ملے ، اِن کی خوشی ملے
اِن کی رضا کی موت ملے ، زندگی ملے
اوروں سے مشورت نہ تاسّی کِسی کی ہو
جو بات ہو نبیؐ کی ہو ، آلِ نبیؐ کی ہو

۹

بابا کو بھی انہیں کی غلامی قبول تھی
ماں وہ تھی جو کنیزِ بتولؑ تھی
فرشِ عزا پہ باغِ مَودّت کا پھول تھی
جو کچھ ملا وہ ان کے ہی قدموں کی دھول تھی
ماں باپ کا ہے فیض کہ منبر نشین ہوں
بہتر نہیں ، خدا کی قسم بہترین ہوں

۱۰

فصلِ عزا سے قبل محرّم کے کام کاج
وہ جھاڑ پونچھ اور صفائی کی احتیاج
چھڑیاں علم کی نہر سے دھونے کا وہ رواج
فرشِ عزا بچھانے کا سو سال کا مزاج
روشن چراغ ہوتے تھے پہلے جو شام سے
کچھ لوگ دن ڈھلے ہی سے لگتے تھے کام سے

۱۱

وہ فاطمہؑ کے لال کی مجلس بصد وقار
سب سامعین حُسنِ سماعت کا اعتبار
ہر ایک کی نشست معیّن بہ افتخار
خالی جگہ کے پُر ہوئے جانے کا انتظار
یہ وضع کچھ شنید نہیں ، چشم دید تھی
اپنی جگہ پہ سب تھے تو آنکھوں کی عید تھی

۱۲

تھا حاضرین کا بھی برابر کا احترام
عالم کا احترام سخن وَر کا احترام
منبر کے ساتھ صاحبِ منبر کا احترام
فرشِ عزا جہاں بچھے اس گھر کا احترام
کم رہ گئی ہے جو وہی تہذیب ملتی تھی
بچوں کو پیش خوانی کی ترغیب ملتی تھی

۱۳

اخلاق سے بلند شرافت کے بام و در
نظریں بلندیوں پہ تھیں سجدے زمین پر
تھا حُبِّ اہلِ بیت سے معمور سارا گھر
بچوں کی تربیت میں تھا سادات کا اثر
کس کم سِنی میں صورتِ رُکنِ رکین تھا
میں چار سال کا تھا، تو منبر نشین تھا

۱۴

مجلس کے رکھ رکھاؤ میں منبر کا وہ وقار
منبر سے مرثیے کا ترنّم بھی ناگوار
منبر نشین ہوتے تھے اربابِ اعتبار
خوش خلق و نیک نام و سخن سنج و بردبار
یہ وقت وہ تھا دین میں گھاتیں حرام تھیں
منبر سے کاروبار کی باتیں حرام تھیں

۱۵

گھر میں تھا روز فصلِ عزا کا وہ اہتمام
دن رات مجلسوں ہی کا ہوتا تھا صرف کام
وہ پانچویں سے خاص تبرّک کا انتظام
سب سے بڑی وہ شہر کی مجلس بوقتِ شام
زینبؑ کے لاڈلوں کا بپا چھ کو غم ہوا
غازیؑ کا آٹھویں کو برآمد عَلَم ہوا

۱۶

سب کام بند ہوتے تھے ، کارِ امام تھا
اس گھر میں ایک شغل یہی صبح و شام تھا
ہر دل میں ، ہر زبان پہ مولا کا نام تھا
نزدیک ہو کہ دور ہو ، مجلس سے کام تھا
جانا جو صبح دَم کبھی ہوتا تھا گاؤں میں
تڑکے ہی اُٹھ کے جاتے تھے تاروں کی چھاؤں میں

۱۷

گھر سے نکل کے دور گئے یا قریں گئے
فرشِ عزا جہاں نظر آیا وہیں گئے
دنیا کے کام چھوڑ کے بس بہرِ دیں گئے
ہم اِن دنوں میں اور کہیں بھی نہیں گئے
سمجھو کہ روشنی سے اُٹھے ، روشنی میں تھے
مجلس جو ایک ختم ہوئی ، دوسری میں تھے

۱۸

زخمِ اَلَم کو چارۂ مرہم سے کام تھا
قلبِ حزیں کو دیدۂ پُرنم سے کام تھا
کچھ اور غم نہیں تھا ، اسی غم سے کام تھا
دس دن تو صرف مجلس و ماتم سے کام تھا
بزمِ عزا سے ہم کبھی اُٹھے نہ چین سے
سیری کبھی ہوئی نہیں ذکرِ حسینؑ سے

۱۹

وہ نصفِ شب کی "گھیر"[۱] کی مجلس بھی خُوب تھی
ویسی ، نہ شَرق و غَرب و شُمال و جُنوب تھی
کب درمیانِ وقتِ طُلوع و غرُوب تھی
کیا دولتِ قَرار برائے قُلوب تھی
چائے کا اہتمام تھا ، پانوں کے ساتھ ساتھ
حُقّے کے دور چلتے تھے باتوں کے ساتھ ساتھ

۲۰

سرگرمئ مباحثِ شعر و اَدَب کے بعد
باتیں جہاں کی ، ذکرِ عَجم اور عَرَب کے بعد
مجلس شروع ہوتی تھی وہ نصف شَب کے بعد
جتنی بھی مجلسیں وہاں ہوتی تھیں سَب کے بعد
مارے تھکن کے نیند میں ہم ڈوب جاتے تھے
دو دو سو بند سننے اَجِنّا بھی آتے تھے

۲۱

عاشور کو جلوس جو جاتا تھا کربلا[۲]
بازار سے گذرتا تھا بستی کے جا بجا
اہلِ جلوس کرتے ہوئے ماتم و بُکا
ہندی کلام پڑھتے تھے رستے میں نجم[۳] کا
دل جو گداز ہوتے تھے بولوں پہ نجم کے
ہندو بھی گریہ کرتے تھے نوحوں پہ نجم کے

۱۔ بھرت پور کے ایک محلہ کا نام
۲۔ بستی سے دور وہ مقام جہاں تعزیے دفن کیے جاتے تھے۔
۳۔ علامہ نجم آفندی

۲۲

تاثیر اور ہوتی تھی ہندی کی نظم کی
دیں کی ، نہ کچھ دھرم کی کوئی اس میں قید تھی
''اسلام پوتھی'' نجم کی جب بھی پڑھی گئی
روتے تھے پھوٹ پھوٹ کے اربابِ دل سبھی
غم کی یہ داستان دلوں تک جو جاتی تھی
گِریہ میں ہچکیوں کی صدا صاف آتی تھی

۲۳

پھر یوں ہوا کہ ملک میں آیا وہ انقلاب
تاریخ نے لہو سے لکھا جس کا باب باب
پہلے تو یوں لکھی نہ گئی تھی کوئی کتاب
بہتا تھا خون سڑکوں پہ گویا مثالِ آب
اس سیلِ قتل و خوں میں جو گھر چھوڑ آئے تھے
ہم اور کچھ نہ لائے ، عَلَم ساتھ لائے تھے

۲۴

اللہ رے حسینؑ کی مجلس کا اہتمام
ہجرت کی سختیوں میں بھی جاری رہا یہ کام
رہنے کو بھی جگہ نہ میسّر تھی لا کلام
پر دل کو تھی لگی تو ہوئی نصرتِ امام
فصلِ عزا کا ایک بھی ناغہ نہیں ہوا
اس انقلاب میں بھی تو وقفہ نہیں ہوا

۲۵

دل میں بسی ہوئی ہے جو غم خواریِ حسینؑ
بڑھتی ہی جارہی ہے طلب گاریِ حسینؑ
مقصد ہے زندگی کا طرف داریِ حسینؑ
لے آئے ہم یہاں بھی عزاداریِ حسینؑ
پیشِ نظر فلاح ہے عصرِ جدید کی
کرتے ہیں صبح و شام ملامت یزید کی

۲۶

صدیوں کی ہیں رچی ہوئی اِقدارِ دوستی
اُلفت ہے اہلِ بیت کی معیارِ دوستی
حُبِّ علیؑ ہے طالبِ اظہارِ دوستی
بغضِ امیرِ شام بھی ہے کارِ دوستی
کانٹوں سے اجتناب ہے، رغبت ہے پھول سے
ہے دشمنی تو دشمنِ آلِ رسولؐ سے

۲۷

اسلام کی بقا کی ضمانت علیؑ سے ہے
ساری حفاظتوں کی روایت علیؑ سے ہے
دنیا بھی ہے علیؑ سے، قیامت علیؑ سے ہے
وہ خوش قدم ہیں جن کو محبت علیؑ سے ہے
دشمن علیؑ کے بن کے جو محشر میں جائیں گے
پیشِ خدا، رسولؐ کو کیا منہ دکھائیں گے

۲۸

یورش اگر ہو دیں پہ، تو دیں کی سِپَر ہیں یہ
شب ہائے ظلم و کفر میں بانگِ سحر ہیں یہ
کوئی دُعا بلب ہو، دُعا کا اثر ہیں یہ
حالات اگر بُرے ہوں تو اچھی خبر ہیں یہ
وہ خوب جانتے ہیں جو کہتے ہیں یا علیؑ
مشکل میں کام آتے ہیں مشکل کشا علیؑ

۲۹

اِسلام کا وقار سلامت علیؑ سے ہے
دینِ خدا کا یہ قد و قامت علیؑ سے ہے
سب نقدِ اعتبار، عبارت علیؑ سے ہے
حیرت ہے پھر بھی تم کو عداوت علیؑ سے ہے
یہ تجربہ بھی آج زرا کرکے دیکھ لو
اِسلام کو علیؑ سے جُدا کرکے دیکھ لو

۳۰

اسلام کے بدن میں حرارت علیؑ سے ہے
جو ہے وہ زندگی کی علامت علیؑ سے ہے
آباد شاہراہِ شہادت علیؑ سے ہے
جاری شہادتوں کی روایت علیؑ سے ہے
قائم انہیں سے آج بھی دیں کا ستون ہے
اِسلام کی رگوں میں انہیں کا تو خون ہے

۳۱

سنجیدگی علیؑ سے ، متانت علیؑ سے ہے
اسلام کی یہ شان ، یہ شوکت علیؑ سے ہے
اسلام کو ملی ہے جو طاقت ، علیؑ سے ہے
ایمان میں یہ جوش ، یہ شدّت علیؑ سے ہے
بعدِ رسول کارِ ہدایت کرے گا کون
حاکم نہ کرسکے تو عدالت کرے گا کون

۳۲

بندوں میں مُرتضٰی ہیں ، امامت علیؑ سے ہے
روشن چراغِ راہِ ہدایت علیؑ سے ہے
سجدوں کا ہیں غرور ، عبادت علیؑ سے ہے
آیت گواہ ہے کہ سخاوت علیؑ سے ہے
رَب کے حضور وقتِ کمالِ نیاز میں
سائل کو کون دے گا انگوٹھی نماز میں

۳۳

غزوے گواہ ہیں کہ شجاعت علیؑ سے ہے
شیرِ خدا ہیں ، دین کی طاقت علیؑ سے ہے
عالم میں سر بلند یہ رایت علیؑ سے ہے
دیں ہے خدا کا ، اس کی حفاظت علیؑ سے ہے
سب ہوں گے ذوالعشیرہ میں نزدیک و دور سے
نُصرت کا وعدہ کون کرے گا حضورؐ سے

۳۴

سیفِ علیؑ نہ جنگ میں گر ٹوٹ جائے گی
تلوار آسمان سے کیا پھر بھی آئے گی
کیا ، کچھ ، ندائے ہاتفِ غیبی سُنائے گی
کیا ذوالفقار خون کے دریا بہائے گی
جیسا کوئی جوان نہ ہو ، کون ہوئے گا
مُنہ کافروں کا خون سے پھر کون دھوئے گا

۳۵

میدان چھوڑ چھوڑ کے جو بھاگ جائیں گے
وہ کس طرح خُدا کے نبیؐ کو بچائیں گے
خیبر کی فتح کے لیے کس کو بلائیں گے
چالیس دن شکست و ہزیمت اُٹھائیں گے
آئے گا کلِّ کفر تو پھر کون جائے گا
سر ابنِ عبدوَد کا بھلا کون لائے گا

۳۶

اسلام کو ملی ہے جو عزت ، علیؑ سے ہے
باقی ہر اک اَذان ، اِقامت علیؑ سے ہے
تقویٰ علیؑ سے ، زُہد ، عبادت علیؑ سے ہے
قائم خدا کے دین کی حُجّت علیؑ سے ہے
ان کے عَدو کے حق میں بُرائی ہے ہر طرف
محشر میں بھی انہیں کی رسائی ہے ہر طرف

۳۷

احسانِ ذوالجلال ہیں یہ ، ماء و طین پر
ان کا ہی اختیار ہے دنیا پہ دین پر
ایسا بھی کوئی عبدِ خدا ہے زمین پر
قرآن پورا پڑھ لے جو بیٹھے وہ زین پر
قرآن کا انہیں کے تو ہاتھوں میں ہاتھ ہے
کوثر تلک پہنچنا انہیں کے تو ساتھ ہے

۳۸

ہے کون جو خدا کا تعارف کرائے گا
خطبوں سے کون شانِ رسالت دکھائے گا
قرآں جو اہلِ بیتؑ کی سیرت نہ پائے گا
پھر کس طرح سے اپنے مطالب بتائے گا
قرآن و حق کے ساتھ بھلا کون ہوئے گا
ہجرت کی شب نبیؐ کی جگہ کون سوئے گا

۳۹

مُشکل ہوئے جو فیصلے کس سے کرائیں گے
تحریر کس سے ان کی غلامی کی پائیں گے
کس کی وِلا کو اجرِ رسالت بتائیں گے
آخر ، مباہلہ میں کسے لے کے جائیں گے
لائیں اگر ہو کوئی زمیں ، آسمان میں
میرے یقیں میں ہے ، نہ کسی کے گمان میں

۴۰

ہارون کی صفت کا وصی کون ہوئے گا
وارث نبیؐ کا ، بعدِ نبیؐ کون ہوئے گا
ایسا کوئی بہ نامِ علیؑ کون ہوئے گا
بعدِ رسولؐ اور ولی کون ہوئے گا
ہر اُمتی کے نفس پہ اولیٰ کہیں جسے
ایسا ہے اور کون کہ مولا کہیں جسے

۴۱

ایسا نہیں ہے کوئی بھی برنا و پیر میں
اِسلام کی حیات ہے ان کے ضمیر میں
مولا بنائے جائیں گے جمِّ غفیر میں
راضی خدا بھی دین سے ہوگا غدیر میں
کوئی بھی مسئلہ ہو ، کبھی حل نہ ہوئے گا
ان کے بغیر دین مکمل نہ ہوئے گا

۴۲

لاشہ نبیؐ کا چھوڑ کے بھاگیں گے تیز دست
رُخ دیکھ کر ہوا کا ، چلیں گے ہوا پرست
بدلیں گے کامیابی سے اپنی کھلی شکست
تحصیلِ اقتدار کے نشّہ میں ہوں گے مست
اہلِ سقیفہ میں سے بھلا کون آئے گا
ہے کون جو نبیؐ کا جنازہ اٹھائے گا

۴۳

خیبر میں یوں نبیؐ سے عَلَم پائے گا کوئی
پانی جنوں سے چھین کے لے آئے گا کوئی
حق دار کو امانتیں پہنچائے گا کوئی
مغرب سے آفتاب کو پلٹائے گا کوئی
اِسلام کو ہوئی ہے نہ ایسی کسی کی ہے
جیسی قدم قدم پہ ضرورت علیؑ کی ہے

۴۴

راہِ خدا میں راہِ ارادت علیؑ سے ہے
ہر لحظہ و دقیقہ و ساعت علیؑ سے ہے
جو بھی ملی ہوئی ہے ، سعادت علیؑ سے ہے
احسان ہے خدا کا کہ نسبت علیؑ سے ہے
ان کے عدو کے ، ہم تو کسی طور کے نہیں
جیسے بھی ہیں ، جہاں ہیں کسی اور کے نہیں

۴۵

ایسی نہ ہوسکے گی عقیدت کسی کے ساتھ
جیسی نبیؐ کے ساتھ ہے ، آل نبیؐ کے ساتھ
میرا بھی عہد ہے یہ مری زندگی کے ساتھ
جینا علیؑ کے ساتھ ہے ، مرنا علیؑ کے ساتھ
حکمِ خدا ہے یہ کہ مودّت ہو آلؑ سے
ہے واسطہ تو بس ابوطالبؑ کے لال سے

۴۶

مولا کا نام ہے مِرے نامِ خدا علیؑ
عقدہ کُشا علیؑ ہیں تو حاجت روا علیؑ
وقتِ دوا علیؑ ہیں تو وقتِ دُعا علیؑ
بے اختیار مُنہ سے نکلتا ہے ، یا علیؑ
یہ ساتھ ساتھ عمر کے اپنی بڑی ہوئی
عادت یہ بچپنے سے ہے گویا پڑی ہوئی

۴۷

کشتی علیؑ ، جہاز علیؑ ، ناخدا علیؑ
منزل علیؑ ، مُراد علیؑ ، مُدّعا علیؑ
مولا علیؑ ، امام علیؑ ، رہ نما علیؑ
مشکل جو سامنے ہو تو مشکل کُشا علیؑ
کوئی گلہ نہیں ہے مجھے ہست و نیست کا
اک ذات ہے علیؑ کی جو محور ہے زیست کا

۴۸

محور جو زیست کا ہے ، وہ محور ہے دین کا
بے وہم بے گمان ہے مسلک یقین کا
لنگر ہے آسمان کا ، لنگر زمین کا
قرآن میں ہے ذکر امامِ مُبین کا
وہ انسیت رہی ہے جنابِ امیرؑ سے
طفلی میں جیسے طفل کو مادر کے شیر سے

۴۹

پہلا امام ، پہلا نمازی ، تو ہے علیؑ
ہے ورثہ دارِ شاہِ حجازی ، تو ہے علیؑ
گر جان کی لگانا ہو بازی ، تو ہے علیؑ
ہر جنگ میں رہا ہے جو غازی ، تو ہے علیؑ
مختارِ شش جہات بھی ، مجبور بھی علیؑ
مولائے کائنات بھی ، مزدور بھی علیؑ

۵۰

عالِم علیؑ ، فقیہہ علیؑ ، راہ بَر علیؑ
بے اعتبار خلق میں ہیں معتبر علیؑ
ہر معرکہ میں فتح و ظفر کی خبر علیؑ
دُنیائے کفر جس سے ہے زیر و زبر ، علیؑ
یہ ہوں اگر نظر میں سعادت نظر کی ہے
چہرہ انہیں کا ہے جو عبادت نظر کی ہے

۵۱

بہتی ہے ان کے در سے ہر اک آبنائے علم
خطبے ہیں ان کے آج بھی پرچم کُشائے علم
سینہ انہیں کا ہے جہاں معراجِ پائے علم
قول اِن کا ہے سلونی یہ ہے انتہائے علم
وہ علم کون سا ہے جو ان کو ملا نہ ہو
اُٹھ جائیں گر حجاب بھی تو کچھ سوا نہ ہو

۵۲

گھاٹی نہ چھوڑنے کی ہدایت نبیؐ کی تھی
سازش تھی یا خطا وہ کسی اُمّتی کی تھی
پہلی صدا وہ جنگِ اُحد میں کسی کی تھی
جو دوسری صدا تھی مقابل، علیؑ کی تھی
مَرنے کا فائدہ جو محمدؐ نہیں رہے[1]
جینے کا کیا مزہ جو محمدؐ نہیں رہے[2]

۵۳

یہ مرتبے علیؑ کے سوا کب کسی کے ہیں
ہر اِک قدم پہ یاور و ناصِر نبیؐ کے ہیں
سردار جو جناں کے ہیں، بیٹے علیؑ کے ہیں
خوش خوش چکا لیے ہیں کہ سودے خوشی کے ہیں
اللہ سے وہ اور بھلا کیا مزید لے
جو اپنا نفس بیچ دے، مرضی خرید لے

۵۴

تاریخِ کائنات میں، ایسا کوئی نہیں
تصویرِ شش جہات میں، ایسا کوئی نہیں
حدِّ تصوّرات میں، ایسا کوئی نہیں
اِمکانِ ممکنات میں، ایسا کوئی نہیں
افضل ہے کون اس سے، یہ کوشش فضول ہے
بندوں میں صرف ایک، خدا کا رسول ہے

۱۔ پہلی صدا ۲۔ دوسری صدا

۵۵

وہ علم کا مدینہ ہیں یہ اس کا باب ہیں
یہ بھی ہیں لاجواب جو وہ لاجواب ہیں
نقشِ قدم انھیں کے تو حق کا نصاب ہیں
لولاک اُن کی شان تو یہ بوتراب ہیں
کس کے ہیں اور ایسے جو درجے علیؑ کے ہیں
دنیا و آخرت میں یہ بھائی نبیؐ کے ہیں

۵۶

اِک سر ہے، ایک جسم ہے، دونوں کا خون ایک
ظاہر بھی ایک، دونوں کا ہے اندرون ایک
ان کا غضب بھی ایک ہے، ان کا سکون ایک
سب مقصد و ارادہ ہیں بطنِ بطون ایک
دونوں کی اصل ایک ہے اور اک شجر سے ہیں
مسکن بھی ایک ہے، ابوطالبؑ کے گھر سے ہیں

۵۷

کعبہ میں جو ہوئی، وہ ولادت علیؑ کی تھی
مسجد میں جو ہوئی، وہ شہادت علیؑ کی تھی
بچتی تھی جان جس سے، وہ نصرت علیؑ کی تھی
جو کربلا میں لُٹ گئی، دولت علیؑ کی تھی
اسلام کو دیا نہ کسی خوش خصال نے
سب کچھ لٹا دیا ابوطالبؑ کے لال نے

۵۸

بعدِ علیؑ ، امام حسنؑ ہیں ، حسینؑ ہیں
دنیا بھی جانتی ہے شہِ مشرقین ہیں
سردارِ خلد ہیں ، دلِ زہراؑ کا چین ہیں
پوچھو رسولؐ سے تو کہیں نورِ عین ہیں
ابنائے روزگار ہیں ، فردِ وحید ہیں
دونوں ہی راہِ ظلم و ستم کے شہید ہیں

۵۹

پہنچے جو کربلا میں شہِ آسماں پناہ
ڈالی زمینِ منزلِ مقصود پر نگاہ
فرمایا بس رُکے گا یہیں فاطمہؑ کا ماہ
عبّاسؑ نے بنائی ترائی میں خیمہ گاہ
بیٹھے شُتَر ، اُتارے کجاوے کَسے ہوئے
ٹھنڈی ہوا میں سوگئے بچّے تھکے ہوئے

۶۰

اِتنے میں فوجِ شام کا لشکر پہنچ گیا
بل ابروؤں پہ ڈال کے سردار نے کہا
اپنے لیے پسند کرو اور کوئی جا
خیمے تو ہوں گے یاں عُمرِ سَعد کے بپا
سایہ شجر کا ہے ، نہ ہے صورت سحاب کی
گرمی کے دن ہیں ، ہم کو بھی چاہت ہے آب کی

۶۱

سن کر یہ بات غیظ میں حیدرؑ کا لال ہے
چہرہ ہوا ہے سُرخ ، یہ جوشِ جلال ہے
اس وقت اس سے آنکھ ملانا محال ہے
خیمے ہٹائے نہر سے کس کی مجال ہے
بپھرا ہُوا ہے ، شیر کی حالت عجیب ہے
تیور بتا رہے ہیں قیامت قریب ہے

۶۲

دادا شجاع ، باپ دلاور ، پسر دلیر
عبّاسؑ نام اور اَسَدِ کبریا کا شیر
ہنگامِ حرب جو بھی زبردست ہو ، وہ زیر
ہوتے ہیں اس کی ضرب سے لاشوں کے رن میں ڈھیر
بابا کی ضرب ٹھہری تھی روح الامین پر
اس کی بہادری کا ہے سکّہ زمین پر

۶۳

تابِ مُخدّراتِ مُقدّس اِسی سے ہے
اِحساس عافیت کا جو ہے ، بس اِسی سے ہے
تسکینِ قلبِ ہرکَس و ناکَس اِسی سے ہے
سیدانیوں کے دل کی تو ڈھارَس اِسی سے ہے
ساونت ہے ، نڈر ہے ، جری ہے ، دلیر ہے
عبّاسؑ ہے یہ شیرِ الٰہی کا شیر ہے

۶۴

شہؑ نے کہا خفا نہ ہو اتنی سی بات سے
باقی ہی کتنے روز رہے ہیں حیات سے
تکلیف کچھ کسی کو نہ ہو اپنی ذات سے
عبّاسؑ جاؤ ، خیمے ہٹالو فرات سے!
دریا کی احتیاج انہیں ہے ، بہم کریں
پانی سے ان کو دور رکھیں ، اور یہ ہم کریں

۶۵

ہر اک نفس جو گرم تھا اِحساس کا لہو
دل سے اُمڈ کے آتا تھا اَنفاس کا لہو
کھولا ہوا تھا جوش سے حسّاس کا لہو
صابر کی دسترس میں تھا عبّاسؑ کا لہو
وہ طاعتِ امام میں اپنی مثال تھا
حاصل جہادِ نفس میں ایسا کمال تھا

۶۶

دل میں علیؑ کے شیر کے کیا کیا تھے ولولے
ہو جنگ یادگار وہ تیغِ دوسر چلے
ہو ظالموں کے خون کا دریا گلے گلے
تارے ابھی سے آئیں نظر سب کو دن ڈھلے
مرضی امام کی جو نہ تھی جبر کرلیا
حسرت یہ دل کی ، دل میں رہی ، صبر کرلیا

۶۷

سقائے اہلِ بیتؑ وہ پہنچا ہے گھاٹ پر
آکر علَم حسینؑ کا گاڑا ہے گھاٹ پر
نیزے سے خون اتنا بہایا ہے گھاٹ پر
شامی کوئی نظر نہیں آتا ہے گھاٹ پر
اس بیت میں بندھی نئے مضمون کی فُرات
پانی کے ساتھ ساتھ بہی خون کی فُرات

۶۸

نکلے بھڑاس دل کی ، وہ جادہ نہیں ملا
موقع وغا کا حسبِ ارادہ نہیں ملا
میدان تو ملا ، پہ کُشادہ نہیں ملا
مولا سے اذن بھی تو زیادہ نہیں ملا
پھر بھی وہ کرگیا جو کسی نے کیا نہیں
قبضے میں نہر لے کے بھی ، پانی پیا نہیں

۶۹

ہر حال میں حسینؑ کا راحت رساں رہا
جب بھی ، جہاں تھی اس کی ضرورت ، وہاں رہا
خدمت میں کوئی اس کی طرح سے کہاں رہا
بچپن سے حاضری میں یہی نوجواں رہا
اہلِ وفا ہوئے ہیں بہت یوں تو دہر میں
پیاسا رہا ہے کوئی کہیں آبِ نہر میں

۷۰

دادا کی طرح نصرتِ اسلام کر گیا
اسلاف کا جہاں میں بڑا نام کرگیا
بابا نے جو کیا تھا ، وہی کام کرگیا
عہدِ وفائے جد کو سرانجام کر گیا
ضامن لہو انہیں کا ہے دیں کی حیات کا
ممنون ہے خدا ابوطالبؑ کی ذات کا

۷۱

پوری ہوئی نہ جنگ کی حسرت ، اسی کی تھی
پیاسی رہی سکینہ ، خجالت اسی کی تھی
اللہ یہ حمیّت و غیرت اِسی کی تھی
رَن سے اُٹھے نہ لاش ، وصیت اسی کی تھی
جو جان سے عزیز تھا ، جاں سے گذر گیا
آقا سے یہ کلام کیا ، اور مَر گیا

۷۲

دریا سے مشک لے کے نہ خیمے میں جاسکا
بچوں سے ہوں خجل کہ نہ پانی پلا سکا
گودیں اُجڑ کے رہ گئیں کس کو بچاسکا
مولا ، غلام آپ کے کیا کام آسکا
بابا کے سامنے یونہی شرمندہ جاؤں گا
میں والدہ کو آپ کی کیا منہ دکھاؤں گا

۷۳

لاشہ تھا رن میں ، خیمہ میں مشک وعَلَم گئے
لائے تھے ساتھ ساتھ تو دونوں بہم گئے
ایسے جری جہاں میں کم آئے ہیں ، کم گئے
تاریخ اپنے خون سے کرتے رقم گئے
یوں کردیا بلند کچھ اسلام کا عَلَم
عبّاس حشر تک ہے ترے نام کا عَلَم

۷۴

وہ گود کے پلے ہوں کہ انصارِ باوفا
ہر ایک نے کیا رہِ نُصرَت کا حق ادا
فروہؓ نے نذر کردیا قاسمؑ سا مہ لقا
زینب کے لال بھی ہوئے اسلام پر فدا
سب اپنی جان دے چکے ، باقی کوئی نہیں
تنہا حسینؑ رن میں ہیں ، ساتھی کوئی نہیں

۷۵

گھر بھر کی تھا جو آنکھ کا تارا ، وہ دے دیا
اٹھّارہ سال جس کو تھا پالا ، وہ دے دیا
جھولے میں تھا جو ہنسلیوں والا ، وہ دے دیا
یعنی خدا کی راہ میں جو تھا ، وہ دے دیا
کام آگئی کمائی علیؑ و بتول کی
اک دوپہر میں لُٹ گئی کھیتی رسول کی

سلام

دل علیؑ کے عشق میں سرشار ہے
کیا مقامِ میثمِ تمار ہے

ذکرِ اہلِ بیتؑ اور ہم چھوڑ دیں
کل بھی تھا اور آج بھی انکار ہے

جو نہیں سمجھا ہے اوصافِ علیؑ
ذہن ہی اس شخص کا بیمار ہے

دشمنیٔ دشمنِ آلِ نبیؐ
دوستی کا ایک ہی معیار ہے

وہ کبھی میدان سے بھاگا نہیں
جس کا مولا حیدرِؑ کرار ہے

زندگی ذلت کی جو چاہے وہ لے
موت عزت کی ہمیں درکار ہے

فوج ہے منبر نشینوں کی مگر
کون باقرؔ صاحبِ کردار ہے

دسواں مرثیہ عنوان **دُعا**

مطلع حِصارِ مرضیٔ معبود میں رہو باقرؔ

بند: ۹۱

تصنیف: ۲۰۰۲ء

کیا کبھی کی ہے یہ خواہش کہ دفینہ دے دے
کشتیِٔ نوحؑ کی مانند سفینہ دے دے
میں ہوں راضی برضا، تو مجھے کچھ دے کہ نہ دے
اپنے محبوبؐ کی مِدحَت کا قرینہ دے دے

۱

حصارِ مرضیٔ معبود میں رہو باقرؔ
گذر رہی ہے جو تم پر ، وہ سب سہو باقرؔ
خیالِ سیلِ حوادث میں کیوں بہو باقرؔ
نہیں ہے وقت ، اُٹھو مرثیہ کہو باقرؔ
چلو وہیں پہ ، جہاں حل ہے سب مسائل کا
جہاں سے رد نہیں ہوتا سوال سائل کا

۲

وہی ہر ایک مصیبت میں کام آتے ہیں
بلاؤ جب بھی انہیں ، صبح و شام آتے ہیں
کسی بھی وقت ، کسی بھی مقام آتے ہیں
پکارتا ہوں خدا کو ، امام آتے ہیں
جو اِن سے بندھتی ہے ، وہ آس ٹوٹتی تو نہیں
سو اِس فقیر کی عادت بھی چھوٹتی تو نہیں

۳

دُعا کو ہاتھ اُٹھاؤ جو وقت مشکل ہے
نہ اور وقت گنواؤ کہ دور منزل ہے
گِرا بھی دو اُسے ، دیوار جو بھی حائل ہے
کہ مرثیہ تو شعارِ عزا میں داخل ہے
بَرس کے بعد تم اک مرثیہ جو کہتے ہو
تو سارا سال اُسی کی اماں میں رہتے ہو

۴

عجیب شِدّتِ غم آزما کے بیٹھے ہو
عجب برادرِ خوش‌خو گنوا کے بیٹھے ہو
بہائے ارضِ تمنا لُٹا کے بیٹھے ہو
محبتوں کا جنازہ اُٹھا کے بیٹھے ہو
دُعا کرو کہ خدا حوصلہ دے ، ہمّت دے
بچھڑ کے بھائی سے جینے کی تم کو طاقت دے

۵

گیا بچھڑ کے جو تم سے ، وہ آ نہیں سکتا
بُلانا چاہے ، تو تم کو بُلا نہیں سکتا
کوئی بھی وقت سے پہلے تو جا نہیں سکتا
یہ دُکھ تو وہ ہے کہ دل چین پا نہیں سکتا
نظامِ ہجرت و فرقت میں دخل کس کا ہے
خُدا کے اَمرِ مشیّت میں دخل کس کا ہے

۶

جو بالا دست ہے سب پر، اُسی کی عظمت ہے
جو ہے ہر ایک پہ غالب ، اُسی کی قدرت ہے
جو کائنات میں ہے ، سب اُسی کی رحمت ہے
حقیر جس سے ہے ہر شے ، اُسی کی عزت ہے
ہوں حادثے تو اُسی کی پناہ میں جاؤ
دُعا بدست اُسی بارگاہ میں جاؤ

۷

قَوی و قادرِ مُطلَق ، وہ حاضِر و ناظِر
وہ سارے پہلوں سے پہلا ، وہ آخری آخِر
وَدود و وَاسِع و وَارِث ، وہ طیّب و طاہِر
وَلی و وَاجد و وَالی ، وہ حَامی و ناصِر
خبیر ہے ، وہ رحیم و کریم ، سنتا ہے
دُعائیں سب کی سمیع و علیم سنتا ہے

۸

گذشتہ سال وہ ہاشم☆ کا حادثہ جاں کاہ
وہ ناگہانی قیامت کہ بس خدا کی پناہ
تھی پورے گھر کی مصیبت تو سب کا حال تباہ
خُدا کو سونپ دیا کہہ کے فی امان اللہ
ہزار لوگوں نے شام و سحر دُعا کر کے
اجل کے منہ سے نکالا خدا خدا کر کے

۹

لگی تھی چوٹ وہ سَر میں کہ سہنا مشکل تھا
لہو تھا منجمد ایسا کہ بہنا مشکل تھا
اس ابتلائے مسلسل میں رہنا مشکل تھا
کب ہوش آئے گا اس کو ، یہ کہنا مشکل تھا
کسی حکیم کا ہے اور نہ یہ دوا کا ہے
وہ بچ گیا ہے تو یہ معجزہ دُعا کا ہے

☆ اپریل ۲۰۰۱ء کا کار ایکسیڈنٹ جس سے ہاشم چھ ماہ کوما میں رہے۔

۱۰

سبھی یہود و نصاریٰ و پیروِ اِسلام
لیا ہر ایک نے اپنی طرح خدا کا نام
بہت سے لوگوں نے بھیجے محبّتوں کے پیام
کچھ اس میں مشرک و کافر بھی ہوگئے خوش کام
عزیز ، دوست ، مُحب ، غیر و آشنا سب نے
ہماری ردِّ مصیبت کو کی دُعا سب نے

۱۱

وہ رات دن کی تلاوت ، وہ نصف شب کی پکار
وہ روزوں اور نمازوں میں روز و شب کا حصار
وہ اجتماعی دُعاؤں کا بے بدل کردار
محبّتوں کے مظاہر کی کوئی حد ، نہ شُمار
وفا کا فرض وفاؤں سے ہی اَدا ہوگا
دُعا کا قرض دُعاؤں سے ہی ادا ہوگا

۱۲

دُعائیں مانگی ہیں بے حد دُعا گزاروں نے
کچھ ایک دو نے نہیں سیکڑوں ، ہزاروں نے
دکھایا معجزہ دن رات کی پکاروں نے
تلاوتوں نے ، وظیفوں نے اور حصاروں نے
بدَل دُعا کا دُعا ہے خدا کے شکر کے ساتھ
دُعا بدست ہوں ، اہلِ دُعا کے شکر کے ساتھ

۱۳

دُعا یہ ہے کہ وہ اپنی پناہ میں رکھے
ہمیشہ اپنے کَرَم کی نگاہ میں رکھے
دَیارِ امن و محبّت کی راہ میں رکھے
مقامِ منزلت و عِزّ و جاہ میں رکھے
گُناہ بخشے سرافراز ، شادمان کرے
کریم دونوں جہانوں میں کامران کرے

۱۴

نہ دَیر میں نہ دیَارِ مُغایرت میں رکھے
نہ اِن کے بچوں کو ماحولِ معصیت میں رکھے
اِنہیں ہمیشہ کسی ظِلِ عاطفت میں رکھے
خدا ہر ایک مصیبت سے عافیت میں رکھے
بساطِ جبر کا ہر ایک مُہرہ پٹ جائے
خدا کرے کہ زمانے سے ظلم مٹ جائے

۱۵

دُعا ہے آس ، دُعا آرزو ، دُعا اُمّید
دُعا دلیلِ شرافت ، دُعا خوشی کی نوید
دُعا بشر کی ہے دَروازۂ عطا کی کلید
دُعا ہے بندے کا اپنے خدا سے ربطِ سعید
وہی دُعاؤں کو حُسنِ قبول دیتا ہے
مجھے بھی صدقۂ آلِ رسولؐ دیتا ہے

۱۶

دُعا سکون ، دعا حوصلہ ، دعا ہمّت
دعا ہے ٹوٹے ہوئے قلب کی طمانیّت
دعا مدد ہے ، دعا زور ہے ، دعا طاقت
دعا ہے عجز ، دعا بندگی ، دعا نعمت
جو مشکلیں نہ ہوں آساں ، تو ضابطہ ہے دُعا
میانِ خالق و مخلوق رابطہ ہے دُعا

۱۷

دُعا مراد ، دُعا التجا ، دعا انعام
دُعا علاجِ مصائب بحالتِ آلام
دُعا ہے قلب کی ناراحتی کو اک آرام
دُعا کا نیک ہے آغاز ، نیک ہے انجام
ہو کوئی مُلحدِ و مومن ، کَرَم یہ رب کا ہے
دُعائیں سنتا ہے سب کی ، خدا تو سب کا ہے

۱۸

دُعا ہے ورد و وظایف ، دعا عمل ، اذکار
دعا زیارت و تسبیح و توبہ استغفار
دعا ہے حرفِ تمنا ، دعا ہے دل کی پکار
یہ اولیا کا ہے شیوہ ، تو انبیاء کا شعار
بھلا یہ کیسے ہے ممکن رَہِ حصول ہو بند
درِ دُعا تو کھلا ہو ، دَرِ قبول ہو بند

۱۹

مُصیبتوں میں عمومی خصوصیّت ہے دعا
اک اشتیاقِ طبیعت کی کیفیّت ہے دعا
حصارِ جاں ہے کہ پیغامِ عافیّت ہے دعا
سلامتی کی خبر ، خیر و خیریّت ہے دعا
جو دل سے نکلے تو وجہِ قبولیّت ہوجائے
ہو وقتِ بد بھی تو ہنگامِ تہنیّت ہوجائے

۲۰

دُعا ہے وردِ سَحَر بھی ، دُعا وظیفہِ شَام
دُعا نماز ، دُعا بندگی ، دُعا پَر نَام
دُعا ہے ذکرِ رکوُع و قعود اور قیَام
دُعا قنوت و تَشَہُّد ، دُعا دُرود و سَلَام
سَلَام پھیر کے پھر ، عرضِ مدُعا ہے دعا
کہ اک وسیلہِ خوشنودیِٔ خدا ہے دعا

۲۱

دُعا ہے وسط ، دعا ابتدا ، دعا انجام
دعا سے رہتا ہے مربوط زندگی کا نظام
دعا تضرّع و زاری ، دعا خدا سے کلام
دعا ہے کارِ پیمبر ، دعا ہے کارِ امام
کمی کہاں ہے کوئی ، کب خزانے ڈھونڈھتا ہے
وہ کردگار عطا کے بہانے ڈھونڈھتا ہے

۲۲

دُعا عمل بھی ہے ، تعویذ بھی ، وظیفہ بھی
دُعا کو چاہیے تمہید بھی ، وسیلہ بھی
دعا تو آپ ہی مقصد بھی ہے ، نتیجہ بھی
جو پوچھیے تو یہی ہر مَرض کا نُسخہ بھی
مصیبتوں میں بھلا اور کون سا گھر تھا
دُعا نہ ہوتی تو انساں کا جینا دو بھر تھا

۲۳

خدا کا شکر ، زمانہ ہے سر بسر اس کا
کہ معترف ہے ہر اک صاحبِ نظر اس کا
مُراد پاتا ہے ہر حرفِ معتبر اس کا
ہے کون جس نے کہ چکّھا نہیں ثمر اس کا
جو سب سے کُہنہ ہے دنیا کا ، وہ سخن ہے دُعا
چلا جو حضرتِ آدمؑ سے ، وہ چلن ہے دُعا

۲۴

ادائے سُنتِ آدمؑ ہے آدمی کی دُعا
بزرگ دیتے ہیں بچوں کو زندگی کی دُعا
کبھی خوشی کی ، کبھی علم و آگہی کی دُعا
سَلام کیا ہے ہمارا ، سَلامتی کی دُعا
دُعا حیات کو حُسن و جمال دیتی ہے
گلِ مُراد کو جھولی میں ڈال دیتی ہے

۲۵

ہوا جو حضرتِ آدمؑ سے ناپسند عمل
زمیں پہ بھیجے گئے ، حق کا فیصلہ تھا اٹل
ہوئی تھیں حضرتِ حوّا بھی آنکھ سے اوجھل
ملا پھر اُن کو شب و روز کی دعاؤں کا پھل
فِراق میں جو بہت صرفِ غم ہوئے دونوں
دُعا قبول ہوئی ، پھر بہم ہوئے دونوں

۲۶

یہ خوب و زِشت کہاں ، بیش و کم کہاں ہوتے
یہ جذبہ ہائے خوشی اور غم کہاں ہوتے
قدم نہ ہوتے تو نقشِ قدم کہاں ہوتے
دُعا قبول نہ ہوتی تو ہم کہاں ہوتے
پھلی ہے جیسے یہ اولاد کیسے پھل جاتی
نہ ملتے دونوں تو یہ نسل کیسے چل جاتی

۲۷

نمودِ نسل کا سامان ہی کہاں ہوتا
یہ عصرِ نو کا گلستان ہی کہاں ہوتا
کسی کے ہونے کا امکان ہی کہاں ہوتا
دُعا نہ ہوتی تو انسان ہی کہاں ہوتا
دُعائے اوّلِ انساں ، وظیفۂ اوّل
دُعا بنی ، بنی آدم کا ورثۂ اوّل

۲۸

خدا کا شُکر ، ہر اک دل پہ ہے اَثر اِس کا
ہے گھر وہ کون سا ، جس میں نہیں ہے گھر اِس کا
خدا کی راہ سے ہوتا ہے تو گزر اِس کا
ہمیشہ پہنچا ہے منزل پہ ہَم سَفر اِس کا
ہیں صُلح و جنگ میں ، آزادی و اسیری میں
دُعائیں ساتھ ہیں طفلی ، شباب ، پیری میں

۲۹

ہر ایک فصل میں مہکا ہوا ہے باَغِ دُعا
ہر ایک عہد میں روشن رہا چَراغِ دُعا
طَلَب کے ہاتھوں میں کشکول ہے اَیاَغِ دُعا
غُرور و کِبر کا حامِل ہے بے دَماغِ دُعا
دُعا تو زیست کے شام و سحر بدلتی ہے
دُعا تو حُکمِ قضا و قدر بدلتی ہے

۳۰

ہمیشہ رہتی ہے حاصل ، یہی وہ نعمت ہے
ہے فتح جس کا مقدر ، یہی وہ نصرت ہے
یہی تو قُربِ الٰہی کی اک ضمانت ہے
جو ہم کلام خدا سے کرے ، وہ طاقت ہے
بشر سے حق کا تکلّم بنا خدا کی کتاب
بشر کی حق سے دعائیں بنی دعا کی کتاب

۳۱

ہر ایک حال میں رکھنا ہے ہم کو پاسِ دُعا
وہ جانتے ہیں جو ہیں مرتبہ شناسِ دُعا
ہم اس لیے ہی تو کرتے ہیں التماسِ دُعا
کہ وقتِ مرگ بھی باقی رہیں حواسِ دُعا
ہر ایک سانس میں ساعت دُعا کی ہوتی ہے
تمام عمر ضرورت دُعا کی ہوتی ہے

۳۲

ہر ایک فرد پہ سایہ کُناں شَجَر اِس کا
ہر ایک قرَیہ ، قبیلہ ، ہر ایک گھر اِس کا
ہر ایک شہر میں ہر ایک بام و دَر اِس کا
ہر ایک راہ سے ہر وقت ہے گُذَر اِس کا
کسی سے ملیے تو پہلا کَلَام بھی ہے دُعا
سَلَام بھی ہے ، جوابِ سَلَام بھی ہے دعا

۳۳

نہیں کہیں بھی جہاں میں اماں دعا کے بغیر
نصیب کس کو ہے آرامِ جاں دعا کے بغیر
دلِ شکستہ کو تسکیں کہاں دُعا کے بغیر
نماز بھی نہیں جاتی وہاں دُعا کے بغیر
یہ مجلسوں میں جو لب پر صدا درود کی ہے
ادائے فرضِ مودّت دُعا درود کی ہے

۳۴

دُعا کے نُسخہ سے خالی نہیں خدا کی کِتاب
خدا نے خود ہی بتائے دُعاؤں کے آداب
بَیانِ عجز و تمنّا ، رہِ ثواب و عَذاب
وہ فاتِحہ کا ہے سورہ کہ ہے دُعا کا نِصَاب
اسے جو وردِ زباں پانچ وقت کرتے ہیں
یہ لفظ بابِ اثر ہی سے تو گزرتے ہیں

۳۵

حِکایتوں میں دُعا ہے ، رِوایتوں میں دُعا
بصارتوں میں دُعا ہے سَماعتوں میں دُعا
عِبادتوں میں دُعا ہے ، زِیارتوں میں دُعا
دُعا حدیث میں ، قرآں کی آیتوں میں دُعا
سِپَر گُناہ کی ہے ، جان ہے عبادت کی
روش اَئمّہ کی ہے ، شان ہے رسالت کی

۳۶

دُعا کا حکم ہے ، قرآن میں صحیفوں میں
دعا کا ذکر ہے اقوال میں حدیثوں میں
دعا کا فیض ہے نسلوں میں اور قبیلوں میں
دعا ہو نُسخہ میں ، دستور ہے طبیبوں میں
دوا کے ساتھ ، دعا سے بھی کام لیتے ہیں
شفا کے ساتھ ، خدا کا بھی نام لیتے ہیں

۳۷

عَلالتوں میں دُعائیں ، عِبادَتوں میں دُعا
ہیں مَنفعَت میں دُعائیں ، مضرّتوں میں دُعا
ہیں شَفقتوں میں ، دُعائیں محُبتّوں میں دُعا
مِلاپ ہو تو دعائیں ، ہیں رُخصتوں میں دُعا
اِمام ضامِن و حفظِ خُدا میں دیتے ہیں
بچھڑتے وقت پناہِ دُعا میں دیتے ہیں

۳۸

خطوط میں وہ سلاموں کی ابتدا لکھ کر
دعائے خیریتِ غیر و آشنا لکھ کر
اَخیرِ خط میں ، خدا حافظِ شُما لکھ کر
اور اپنے آپ کو اک طالبِ دُعا لکھ کر
مُراسلت میں دعائیں طلب بھی کرتے ہیں
نجانے کب کے ہیں عادی کہ اب بھی کرتے ہیں

۳۹

خدا ہو بیلی ، خدا حافظ اور خدا رکھے
خدا نہ چاہے ، خدا سمجھے اور خدا بخشے
خدا کا قہر نہ ٹوٹے ، خدا کا فضل رہے
خدا کبھی نہ کرے ، یا خدا ہی خیر کرے
ہے باتوں باتوں میں جاری مکالموں میں دعا
ہے روزمرّہ کے کتنے محاوروں میں دعا

۴۰

ہے دن کی دھوپ میں اور شب کی ظلمتوں میں دُعا
ہے پستیوں میں دعا اور رفعتوں میں دُعا
ہے محفلوں میں دعا اور خلوتوں میں دُعا
زمانے بھر میں زمانے کی ساعتوں میں دُعا
یہ وہ عَمل ہے بہ کثرت کہ کثرتوں پہ مُحیط
ہر ایک لحظہ ہے دنیا کی وُسعتوں پہ مُحیط

۴۱

کہیں سے دور، کہیں سے قریب ہوتی نہیں
کسی کی میت، کسی کی رقیب ہوتی نہیں
دعا کوئی بھی عجیب و غریب ہوتی نہیں
وہ بدنصیب ہے جس کو نصیب ہوتی نہیں
وہی خدا جو مجالِ دُعا بھی دیتا ہے
وہی جوابِ سوالِ دُعا بھی دیتا ہے

۴۲

کہیں بھی مندر و مسجد ہوں یا کلیسا ہو
کوئی مقام، کوئی مُلک، کوئی خِطّہ ہو
پہاڑ ہو کہ سمندر ہو یا کہ صحرا ہو
کوئی بھی جگہ ہو، دنیا کا کوئی کونا ہو
دُعا مقام کی مجبوریاں نہیں رکھتی
کسی جگہ سے بھی یہ دوریاں نہیں رکھتی

۴۳

یہاں کی قید نہیں ، اور وہاں کی قید نہیں
دُعا میں کوئی مقام و مکاں کی قید نہیں
کسی مزار ، کسی آستاں کی قید نہیں
کہیں سے بھی ہو ، زمیں آسماں کی قید نہیں
وہیں وہ سُنتا ہے اس کو ، دعا جہاں بھی ہے
دُعا جہاں سے بھی کیجے خدا وہاں بھی ہے

۴۴

دُعا کا وقت مقرّر نہیں ، کبھی کیجے
نہیں ضرور کہ مشکل پڑے تبھی کیجے
ہو قلب مائلِ حُسنِ طلب جبھی کیجے
نہ کیجے کوئی تکلّف ذرا ، ابھی کیجے
بغیر حرفِ دُعا ، دم گذارنا کیسا
یہ صِرف وقت پڑے پر پکارنا کیسا

۴۵

کوئی بھی مانگے ، فلان و فلاں کی قید نہیں
کسی بھی وقت ، کبھی اور کہاں کی قید نہیں
کسی زبان میں کیجے ، زباں کی قید نہیں
ہمیشہ وقتِ نماز و اذاں کی قید نہیں
کوئی دریغ نہیں جوش و ہوش سے کیجے
دہانِ دل کی زَبانِ خموش سے کیجے

۴۶

خُدا نے بخشا ہے بندوں کو اختیارِ دُعا
خدا پسند ہے بندوں کا اعتبارِ دُعا
سکون بخش ہے ، ہر دور میں دیارِ دُعا
ہے برگزیدہ بہت چشمِ اشک بار دُعا
دُعا سبب ہے جو بے پروا ، بے نیاز نہیں
وگرنہ اس کو تو کچھ حاجتِ نماز نہیں

۴۷

عطائے خاص ہے خالق کی ، شانِ رحمت ہے
دُعائیں مانگ کے دیکھو ، دُعا میں لذّت ہے
فضیلتوں میں دُعا کی بڑی فضیلت ہے
وہ خوش نصیب ہے جس کو دُعا کی عادت ہے
دُعا تمہاری سنے گا ، یہ اُس کا وعدہ ہے
جو مانگتے ہو ، وہ دے گا ، یہ اُس کا وعدہ ہے

۴۸

وہ کوئی سادہ دُعا ہو کہ پیچ دار دُعا
دُعائیں کرکے دعاؤں کا اعتبار دُعا
ہوں بے شمار مسائل ، تو بے شمار دُعا
نہیں ہے عیب یہ تکرار ، بار بار دُعا
دُعا کا حُسن ہے ، ذکرِ خدا کے بعد دُعا
دُعا سے قبل دُعا اور دُعا کے بعد دُعا

۴۹

دُعا کے اہل نہ ہوں گر ، تو اہلیّت کی دعا
قبول ہوں نہ دُعائیں قبولیّت کی دُعا
خلیل ہوں تو کریں اپنی ذرّیت کی دُعا
جو اہمیّت بھی ہو جس کی ، اُس اہمیّت کی دُعا
خیالِ کُفر نہیں ہے ، یہ فکرِ مذہب ہے
دعا نہ کرنا تو کُفرانِ نعمتِ رب ہے

۵۰

غَلط ہو رنگِ زمانہ ، تو راستی کی دُعا
اندھیرا پھیل چکا ہو ، تو روشنی کی دُعا
گِھرے ہوں موت کے بادل ، تو زندگی کی دُعا
ہر ایک حال میں ہو علم و آگہی کی دُعا
تھی جن کو حکمتِ عالم حصول کہتے تھے
کہ رَبِّ زِدْنی ہمارے رسولؐ کہتے تھے

۵۱

خیالِ کَسبِ مَتاعِ حَلال دیتی ہے
حَلال رِزق کے فِکر و خَیال دیتی ہے
دلوں سے ہر بُتِ نَخوَت نِکال دیتی ہے
دُعا وہ ہے جو بَلاؤں کو ٹال دیتی ہے
جنھوں نے کی ہیں دُعائیں ، انھوں نے مانا ہے
دُعا کے بعد تو کم زور بھی توانا ہے

۵۲

نشاں زمانے میں دیکھو جِدھر بِدھر اِس کا
اُدھر بھی اِتنا ہی ہے جِتنا ہے اِدھر اس کا
کوئی بتائے کہ چرچا نہیں کِدھر اس کا
وہ فیض یاب ہوا ، رُخ ہوا جِدھر اس کا
امامِ عصرؑ سے پاؤ ثمر دعاؤں کے
عریضے بھیج کے دیکھو اَثر دُعاؤں کے

۵۳

شکستہ حال کو جاہ و جلال دیتی ہے
جو ہو زوال میں ، اس کو کمال دیتی ہے
جو ڈوبتا ہو ، کنارے اُچھال دیتی ہے
دُعا تو آئی ہوئی موت ٹال دیتی ہے
بنی وسیلۂ حاجت ، غدیرِ خُم کی نَوید
دُعا کرو کہ مِلی اَستَجِب لَکُم کی نَوید

۵۴

دُعا سنے گا تو داعی کو مُدعا دے گا
نہیں دیا تو وہ عُقبیٰ میں آسرا دے گا
وہ پھر ہماری توقع سے بھی سِوا دے گا
وگرنہ پھر کسی مشکل سے ہی چُھڑا دے گا
دُعا عمل ہے تو ردِ عمل تو پائے گا
دُعا گُزار دعاؤں کا پھل تو پائے گا

۵۵

دُعا ہے دل کی تمنّا ، زبان کا اقرار
نہ ہو جو دل کی حمایت ، تو ہر دُعا بے کار
دُعا ہے خیر مبارک ، دُعا ہے دل کا قرار
دُعا وہ بھیک نہیں جس کا مانگنا ہو عار
نہیں ہے کوئی سوالی ندامتوں کے بغیر
یہی تو حُسنِ طلب ہے خجالتوں کے بغیر

۵۶

حیات ہے جو انگوٹھی ، تو ہے نگین دُعا
عبادتوں میں ہے جو جزو بہترین دُعا
قبول ہے جو کرے قلبِ بالیقین دُعا
پسند کرتا ہے خود رَبِّ عالمین دُعا
کسی بھی شخص کی ہوجاوٗ التجا میں شریک
کہے دُعا پہ جو آمین ، ہے دُعا میں شریک

۵۷

شریکِ حال ہے ہم دَرد ، مہربان دُعا
حیات و موت کی کشتی کا بادبان دُعا
نماز جسمِ عبادت ہے اور جان دُعا
کرو اَذان و اِقامت کے درمیان دُعا
خیال وقتِ دُعا ، رَبِّ ذوالجلال کا ہو
غذا حلال کی ہو اور مکاں حلال کا ہو

۵۸

دُعائیں اپنے لیے ہوں کہ اقربا کے لیے
رُجوعِ قلب ضروری ہے ہر دُعا کے لیے
دُعا کو ہاتھ اُٹھیں غیر و آشنا کے لیے
خدا کے سامنے حاضر تو ہو خدا کے لیے
سَدا وہ مائلِ لُطف و عطا ہی رہتا ہے
درِ دُعا تو ہمیشہ کُھلا ہی رہتا ہے

۵۹

جہاد ہو کہ ہو وقتِ تلاوتِ قرآں
گھٹا برستی ہو ، ہوتی ہو رحمتِ باراں
وہ پانچ وقت ہوں دن کے کہ ہورہی ہو اذاں
وہ دونوں وقت ملے صُبح و شام کا وہ سماں
ہر ایک عرضِ طلب کامیاب ہوتی ہے
ہر ایسے وقت دُعا مُستجاب ہوتی ہے

۶۰

جو اک دُکھے ہوئے دل کی پکار ہوتی ہے
وہی دُعا سببِ اعتبار ہوتی ہے
وہ ایک پل میں فضاؤں کے پار ہوتی ہے
اُسی پہ رحمتِ پروردگار ہوتی ہے
اَثر کہ اپنی جگہ سے پہاڑ ہل جائیں
جُدا جو یوسفؑ و یعقوبؑ ہوں ، تو مل جائیں

۶۱

دُعا سے پہلے درود اور دُعا کے بعد درود
تو جو بھی مانگیے دیتا ہے پھر وہی معبود
یہ راہ وہ ہے جو ہوتی نہیں کبھی مَسدود
نہیں جب اُس کی کوئی حد، دعا ہو کیوں محدود
نماز پڑھ کے دُعا جب گذار لیتی ہے
تو طشتِ خُلد کے فِضّہ اتار لیتی ہے

۶۲

ہر اختیار پہ مجبوریاں تو ہوتی ہیں
مُعاشرت کی بھی مہجوریاں تو ہوتی ہیں
ہیں قربتیں بھی مگر دوریاں تو ہوتی ہیں
رَہِ حیات کی رنجوریاں تو ہوتی ہیں
غموں کے ساتھ خُدا حوصلہ بھی دیتا ہے
دُعائیں سن کے وہی مُدّعا بھی دیتا ہے

۶۳

کسی فقیر کی ہو، یا کسی غنی کی دُعا
گناہ گار کی ہو یا ہو متّقی کی دُعا
کسی خسیس کی ہو یا کسی سخی کی دُعا
وہ سُننے والا تو سُنتا ہے ہر کسی کی دُعا
وہ کون ہے کہ جو خالی رہا خطاؤں سے
وہ بدنصیب ہے، عاجز ہے جو دُعاؤں سے

۶۴

وہ عالموں کی دُعائیں ، وہ جاہلوں کی دُعا
وہ مفلسوں کی دُعائیں ، وہ منعموں کی دُعا
وہ کافروں کی دُعائیں ، وہ مشرکوں کی دُعا
وہ ہندوؤں کی دُعائیں ، برہمنوں کی دُعا
اَشیر باد بھجن کے سُروں سے مانگتے ہیں
خدا سمجھ کے ، دُعائیں بتوں سے مانگتے ہیں

۶۵

کوئی ہے دَیر کی ، تو کوئی ہے حرم کی دُعا
کوئی صنم کی دُعا ، کوئی جامِ جم کی دُعا
کوئی زباں کی دُعا ہے ، کوئی قلم کی دُعا
کوئی عرب کی دعا اور کوئی عجم کی دُعا
شعارِ فرد ہے ، دستورِ انجمن ہے دُعا
ہجومِ یاس میں اُمید کی کِرن ہے دُعا

۶۶

ہے جس کی جتنی نظر اُس صلاحیت کی دُعا
ہر ایک مانگتا ہے اپنی حیثیت کی دُعا
ہزار طرح کی ہر ذہن و ذہنیت کی دُعا
جو جس کا حال ہو اُس کیف و کیفیت کی دُعا
ہو بھیڑ جتنی بھی ، رستہ بہت کُشادہ ہے
یہ اور راہ نہیں ہے ، دُعا کا جادہ ہے

۶۷

دُعائیں بھی ہیں دُعاؤں کا ہے اعادہ بھی
ضرر کا خوف نہیں کوئی اور افادہ بھی
دُعائیں ہوتی ہیں امکان سے زیادہ بھی
دُعائیں لب سے نکلتی ہیں بے ارادہ بھی
وہ غیر ہی کے لیے ہو ، مگر دُعا کرنی
کسی کو چھینک بھی آئے اگر دُعا کرنی

۶۸

دُعائیں پڑھ کے جو کھینچو تو ہے حصار دُعا
خطوطِ امن و حفاظت کی ذمّہ دار دُعا
زمیں فروغ دُعا ، آسماں مدار دُعا
نبیؐ مزاج دُعا اور علیؑ شعار دُعا
رسولؐ نے پڑھی خیبر میں مُستند ہے دُعا
یہ فیضِ نادِ علیؑ ، یا علیؑ مدد ہے دُعا

۶۹

کہیں جنم کی دُعائیں ، کہیں عدم کی دُعا
دُعا گزار تو کرتے ہیں بیش و کم کی دُعا
تمام رات جو خیبر میں تھی عَلم کی دُعا
بنی وہ لشکرِ اسلامیاں کو غم کی دُعا
علم کا جن کو نہ تھا حق یہ اُن سے بھول ہوئی
دُعا کسی کی علَم کے لیے قبول ہوئی؟

۷۰

جو بے نشان تھے ، وہ نام‌دار کتنے تھے
عَلَم کے لینے کو دل بےقرار کتنے تھے
دُعا بدَست اِطاعت گذار کتنے تھے
عَلَم تھا ایک اور امیدوار کتنے تھے
سبھی جری تھے وہاں کب کسی جری کو مِلا
جو حق گُزارِ عَلَم تھا ، عَلَم اُسی کو مِلا

۷۱

یتیم مانگے تو لاتی ہے دل کا چَین دُعا
قبولِ حق ہے جو کرتے ہیں والِدیَن دُعا
دُعائے خِضرؑ ہو یا مثلِ جو شُنَین دُعا
خدا سے مانگیے تو کہہ کے یاحُسینؑ دُعا
بلا میں فطرس و راہب کی قسمتیں بدلیں
حُسینؑ وہ ہے کہ جس نے مشیّتیں بدلیں

۷۲

جو تھی خدا کی رضا ، تھی وہی رضائے حسینؑ
نجاتِ اُمّتِ عاصی تھا مُدعائے حسینؑ
برائے بخششِ امت جو تھی دُعائے حسینؑ
سُنی حسینؑ کے قاتل نے یہ صدائے حسینؑ
جو کہہ دیا تھا ، وہ کرکے دکھا دیا میں نے
گواہ تو ہے کہ وعدہ وفا کیا میں نے

۷۳

یہ جو بھی کرتے تھے، کرتے تھے سب خدا کے لیے
قدم بنے ہی تھے ان کے رہِ رضا کے لیے
دراز دستِ طلب تھے ، تو بس دُعا کے لیے
صحیفے چھوڑ گئے خلقتِ خدا کے لیے
سو اہلِ بیتؑ سے مخصوص ہیں دُعائیں بھی
حدیث کی طرح منصوص ہیں دُعائیں بھی

۷۴

بغیرِ ذکرِ خُدا ، کب تھیں ساعتیں اِن کی
دُعاؤں کے ہیں صحیفے ، کرامتیں اِن کی
دُعا کے مَتن میں دیکھو فصاحتیں اِن کی
ہیں معرفت کے سمندر عبارتیں اِن کی
حیات ان کی اندھیرے میں روشنی جیسے
دُعائیں وہ کہ مجسّم ہو بندگی جیسے

۷۵

علیؑ کی شانِ اطاعت صحیفۂ علوی
کمالِ لُطفِ عبادت صحیفۂ علوی
تمام حُسنِ بَلاغَت صحیفۂ علوی
کلامِ حق کی شباہت صحیفۂ علوی
یہ حَشر تک کے لیے فیضِ عام اُس کا ہے
جو کہہ رہا تھا سَلونی ، کلام اُس کا ہے

۷۶

دُعا کی اصل حقیقت صحیفۂ علوی
عبادتوں کی ضرورت صحیفۂ علوی
دُعا گذاروں کی طاقت صحیفۂ علوی
ضیائے نورِ امامت صحیفۂ علوی
علیؑ کا عزمِ ہدایت ، ثواب کی صورت
اندھیری رات میں ہے آفتاب کی صورت

۷۷

بنی تھی آدمؑ و حوّا کی کائنات دُعا
رہی ہے موسیٰؑ و داوٗدؑ کی حیات دُعا
شِکم سے ماہی کے ، یونسؑ کی تھی نجات دُعا
شعارِ سیّدِ سجّادؑ ، بات بات دُعا
صحیفہ اُن کا اُسی روشنی کو کہتے ہیں
زبورِ آلِ محمدؐ اُسی کو کہتے ہیں

۷۸

خدا پرست جو تھی ، بندگی انہیں کی تھی
جو سجدہ ریز رہی ، عاجزی انہیں کی تھی
اندھیری شب میں دُعا ، روشنی انہیں کی تھی
دُعا بہ لب جو رہی ، زندگی انہیں کی تھی
یہ معرفت کے تقاضوں سے مانتے ہیں اُسے
پھر اُتنا مانگتے ہیں ، جتنا جانتے ہیں اُسے

۷۹

دراز ذکرِ خُدا سے ہیں قامتیں اِن کی
فرشتے وجد کریں وہ تلاوتیں اِن کی
جواب جن کا نہیں ، وہ عبادتیں اِن کی
کوئی نماز میں دیکھے تو حالتیں اِن کی
سوائے ذکرِ خدا اور کچھ خیال نہ ہو
گرے پسر بھی جو تنوّر میں ، ملال نہ ہو

۸۰

ہیں نسل نسل شرافت ، سیادتیں اِن کی
علاجِ نوعِ بشر ہیں اِرادتیں اِن کی
مُباہلہ کی صداقت ، صداقتیں اِن کی
رسول اِن کا ہے اپنا ، امامتیں اِن کی
کلام پاک ہدایت ہے ، رہ نُما یہ ہیں
وہ مثلِ شمع سہی ، شمع کی ضیا یہ ہیں

۸۱

پھوپھی ، بھتیجے کی دربارِ شام میں تقریر
زباں سِپَر تھی ، زباں نیزہ تھی ، زباں شمشیر
وہ حرف حرف صداقت ، وہ زور ، وہ تاثیر
گلے میں طوق وَرَسَن ، ہاتھ پاؤں میں زنجیر
یہ بندشوں میں بھی بَست وکُشاد کرتے تھے
اسیر پابہ سلاسل جہاد کرتے تھے

۸۲

اگرچہ مردوں میں تنہا تھے سیّد سجّادؑ
مگر نہ ہونے دی محنت حسینؑ کی برباد
پھوپھی بھتیجے نے مل کر کیا زباں سے جہاد
دُعا سے ان کی ہلی قصرِ ظُلم کی بنیاد
جو ناتمام تھا وہ کارِ حق تمام کیا
انہیں کے خُطبوں نے اعلانِ فتحِ شام کیا

۸۳

دیارِ شام میں جب بستۂ محَن آئے
تو دیکھنے کو مدینہ کے مَرد و زن آئے
ہوا یہ شور کہ واپس شہِ زمَنؑ آئے
چمن کو لَوٹ کے پھر غیرتِ چمَن آئے
نہال ہو گیا یثرب ، بہار آتی ہے
کِسے خبر تھی بہَن سوگ وار آتی ہے

۸۴

کِسے خبر تھی لُٹا فاطمہؑ کا سارا گھر
نہ ہیں حُسینؑ ، نہ عبّاسؑ و قاسمؑ و اکبرؑ
نہ ساتھ عونؑ و محمدؑ ہیں اور نہ اب اصغرؑ
علیؑ کی بیٹیاں ہیں اور یہ دُعا لب پر
خیالِ آمدِ آلِ رسولؐ ہی نہ کرے
ہمارا آنا ، مدینہ قبول ہی نہ کرے

۸۵

وطن کو لوٹ کے یوں صاحبِ وطن آئے
اکیلے مردوں میں سجّادِ خستہ تن آئے
زباں پہ زینبؑ بے کس کے یہ سخن آئے
نہ چھوڑ کر کسی بھائی کو یوں بہن آئے
تمہاری آل تھی دربارِ عام میں ، نانا!
سکینہؑ مرگئی زندانِ شام میں ، نانا!

۸۶

وطن پہنچ کے عجب زندگی اِمامؑ کی تھی
حیات ، جہدِ مسلسل ، فلاحِ عام کی تھی
اگر تھی فکر ، تو بہبودیٔ عوام کی تھی
پہ صبح و شام خلش بھی دیارِ شام کی تھی
بغیرِ دیدۂ نم اِن کو کب نہیں دیکھا
کبھی کسی نے تبسّم بہ لب نہیں دیکھا

۸۷

اگر دُکان سے قصّاب کی گذرتے تھے
لہو کو دیکھ کے اک آہِ سرد بھرتے تھے
سواری روک کے دم بھر وہاں ٹھہرتے تھے
قریب جاکے پھر اُس سے سوال کرتے تھے
دلائی آس بھی کچھ یا نراسا ذبح کیا
اسے پلایا تھا پانی ، کہ پیاسا ذبح کیا

۸۸

جواب ملتا کہ مولا یہ کیسے ممکن ہے
کہیں بھی ہوتا ہے ایسا ، یہ کیسے ممکن ہے
ہم آدمی بھی نہیں کیا ، یہ کیسے ممکن ہے
کسی کو مار دیں پیاسا ، یہ کیسے ممکن ہے
ہوں سنگ دل بھی تو طینت بُری نہیں رکھتے
کبھی بھی خشک گلے پر چُھری نہیں رکھتے

۹۰

یہ رو کے کہتے کہ بابا کو پیاسا ذبح کیا
وہ چھ مہینہ کا بچہ بھی مرگیا پیاسا
قریب بہتا تھا گرچہ فُرات سا دریا
جو پیاسے پیاس بجھاتے تو کم نہ ہو جاتا
یہ ظلم جھیل کے امّت کے ، مر گئے بابا
مگر نجات کا سامان کر گئے بابا

۹۰

وضو کو لیتے جو پانی تو دیکھتے رہتے
نہ یادِ تشنہ لباں میں زباں سے کچھ کہتے
نہ ہوتا ضبط جو گریہ تو اشک غم بہتے
زمانہ بیت گیا تھا یہ درد و غم سہتے
مضاف ہوتا جو پانی تو پھینک دیتے تھے
اور آبِ تازہ وہ چلّو میں پھر سے لیتے تھے

۹۱

جو کوئی کہتا کہ مولا کہاں تلک یہ بُکا
تو کہتے بھائی تو انصاف تو نہیں کرتا
شہید ہونا تو بے‌شک ہمارا ہے شیوہ
بس ایک دن میں بھرا فاطمہؑ کا گھر اُجڑا
مگر وہ شام کا بازار اور آلِؑ نبیؐ
ارے بھرا ہوا دربار اور آلِؑ نبیؐ